چائے کا کپ
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱۳
چائے کا کپ

دو باتیں

اگر میں یہ کہوں کہ یہ دو باتیں ردی کی ٹوکری کے نام ہیں تو آپ شاید زور سے چونک اٹھیں ۔۔۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اچھل ہی پڑیں ۔ کیونکہ ردی کی ٹوکری کا اور آپ کا خدا واسطے کا بیر ہے ۔ آپ ردی کی ٹوکری سے خوف زدہ رہتے ہیں ۔ اسے صلواتیں بھی سناتے رہتے ہیں ! حالانکہ آپ کی صلواتوں کا اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہو سکتا ۔۔۔ دوسرے لفظوں میں وہ ٹس سے مس بھی نہیں ہوتی ۔ میرے کچھ پڑھنے والے تو ایسے ہیں جو باقاعدہ ردی کی ٹوکری کو خط لکھتے ہیں ۔ جب کہ میری ردی کی ٹوکری بالکل ان پڑھ ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ ان دنوں میں اس قسم کے خطوط کی وجہ سے ایک عدد پڑھی لکھی ردی کی ٹوکری کی تلاش میں ہوں ۔ کاش مل جائے ، پھر وہ آپ کے خطوط کے جواب خود ہی دے دیا کرے گی ۔

یہ دو باتیں ردی کی ٹوکری کے نام کس لیے کی گئیں ۔ اس کی وجہ آپ کو معلوم ہونے والی ہے ۔ فکر نہ کریں ، خدا حافظ ۔

وہ چاروں

انسپکٹر جمشید ابھی دفتر آئے ہی تھے ، اخبار کی سرخیوں پر ایک نظر ڈالی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی :

" ہیلو ! انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں ۔"

" اور میں اسلم نیازی ہوں ۔۔۔ سپرنٹنڈنٹ جیل ۔ آپ نے اخبار دیکھ ہی لیا ہو گا ۔"

" اسلم نیازی صاحب ۔۔۔ سپرنٹنڈنٹ جیل ، لیکن جناب ان کا نام تو ۔۔۔ "

" میں نے کہا نا ۔ آپ نے آج کا اخبار دیکھ ہی لیا ہو گا ۔"

" ابھی تک بڑی بڑی سرخیوں پر ایک نظر ڈالی ہے ۔" وہ بولے اور ساتھ ہی اخبار کی طرف دیکھا ، ادھر اسلم نیازی کہہ رہے تھے :

" تو اخبارِ وطن کے پہلے صفحے کے نچلے حصے پر نظر ڈالیے ۔"

" بہتر !" وہ بولے اور اخبارِ وطن کی طرف دیکھا ، وہاں ایک خبر نظر آئی ، سرخی تھی ۔۔۔ نئے سپرنٹنڈنٹ جیل نے چارج سنبھال لیا ۔

"اوہ اب میں سمجھا ۔ یہاں کے سپرنٹنڈنٹ جیل تبدیل ہو گئے ہیں
اور آپ ان کی جگہ آئے ہیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے، یہی بات ہے۔"

"میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے۔" انھوں نے کہا۔

"شکریہ! اس وقت فون کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مجھے ایک
مجرم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہیں ۔ اس کی فائل کے
بارے میں جب میں نے متعلقہ تھانے کو فون کیا ۔ تو انھوں نے بتایا،
فائل آپ کے پاس ہے ۔ فون اس لیے کیا گیا کہ جیل کے ریکارڈ سے
اس کی فائل غائب ہے۔"

"اوہ! مجرم کا نام بتائیے اور فائل کا نمبر بھی۔" انسپکٹر جمشید چونک کر
بولے ۔ اب ان کے چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار جھلک رہے
تھے، پہلا خیال انہیں یہ آیا تھا کہ کہیں لی کاف تو فرار نہیں ہو گیا،
حالانکہ اس کے فرار کو ناکام بنانے کے تمام انتظامات پہلے روز
ہی کر لیے گئے تھے۔

"اس کا نام سوکھے خان ۔ فائل کا نمبر تین سو بارہ۔"

"اوہ ہاں ۔ سوکھے خان کی فائل میں نے متعلقہ تھانے سے
کل ہی منگائی تھی۔"

"شکریہ ۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سوکھے خان کی
فائل میں ایسی کون سی خاص بات تھی کہ اسے جیل سے اڑانا ضروری

خیال کیا گیا۔"

"اچھی بات ہے، میں ابھی فائل نکال کر دیکھتا ہوں۔"

"شکریہ ۔ تو کیا میں پندرہ منٹ بعد فون کروں۔"

"ہاں ضرور ۔ کیوں نہیں۔" انھوں نے کہا، پھر ریسیور رکھ کر
اکرام سے بولے:

"نئے سپرنٹنڈنٹ جیل تھے ۔ حیرت ہے اتنی خاموشی سے یہ
تبدیلی عمل میں آ گئی ۔ خیر ۔ ذرا فائل نمبر ۳۱۲ نکالو ۔ وہی سوکھے خان
والی ۔ جو انسپکٹر گوگل سے لائے تھے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور ایک الماری کھول کر فائل تلاش
کرنے لگا ۔ انسپکٹر جمشید اسلم نیازی کی خبر پڑھنے لگے ۔ ایک
منٹ بعد ہی اکرام نے فائل ان کے سامنے رکھ دی ۔ انھوں نے
بھی اخبار سے نظریں ہٹائیں اور سوکھے خان کی فائل کی طرف متوجہ
ہو گئے۔

عین اسی وقت بابا فضل اندر داخل ہوئے:

"جناب! ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، ان کا کہنا ہے
کہ انہیں ایک بہت ضروری کام ہے ۔ لہٰذا مہربانی فرما کر صرف دو
منٹ کے لیے اجازت دیجیے۔"

"ان کا نام؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"طاؤس بیگ ۔"

"اچھا بھیج دو۔" یہ کہتے وقت اُنھوں نے گھڑی پر نظر ڈالی — ابھی انھیں فائل کو بھی دیکھنا تھا، کیونکہ بارہ تیرہ منٹ بعد اسلم نیازی کا فون آنا تھا۔ تاہم ابھی ان کے پاس وقت تھا۔

مُلاقاتی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اُنھوں نے نظریں فائل پر سے ہٹالیں —

"جی فرمائیے —"

"میں طاؤس بیگ ہوں — ایک غریب آدمی، ایک بہت دولتمند آدمی مجھے دھمکیوں پر دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"کس سلسلے میں؟" وُہ بولے۔

"میرا مکان اس کی کوٹھی کی دیوار سے ملا ہوا ہے — مکان ٹوٹا پھوٹا ہے — لہٰذا اس کی کوٹھی کے لیے ایک بدنما داغ ہے — اس کا کہنا ہے کہ میں اپنا مکان اس کے ہاتھ فروخت کر دوں، تاکہ وہ اسے گرا کر اس حصے کو بھی کوٹھی میں شامل کر لے۔"

"اور آپ اپنا مکان فروخت کرنا نہیں چاہتے؟" انسپکٹر جمشید بولے —

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے — مجھے کچھ اور لوگوں کے ذریعے بھی خوف زدہ کیا جا رہا ہے — پولیس والے بھی آئے تھے۔"

"ہوں — میں سمجھ رہا ہوں، خیر — تو آپ اپنا مکان فروخت کر ہی کیوں نہیں دیتے — کیونکہ یہ ایک دو دن کی بات تو ہے نہیں — ساری

عمر آپ کو کوٹھی کے ساتھ زندگی گزارنا ہو گی — آخر کوئی کب تک آپ کی مدد کرے گا۔"

"لیکن میں کیا کروں — میں اس گھر میں پیدا ہُوا تھا — میں اسے بیچنا نہیں چاہتا — جب کہ وہ مجھ سے زبردستی خریدنا چاہتا ہے —"

"آپ اپنا پتا —"

اُن کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — حیرت زدہ انداز میں اُنھوں نے اکرام کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ وہ میز پر سر رکھے سو رہا تھا — ساتھ ہی اُن کا سر بھی جھکتا چلا گیا —

○

ان دنوں وُہ چھٹیاں منا رہے تھے — یُوں بھی کوئی چکر چلا ہوا نہیں تھا، لہٰذا صبح سویرے سکول کا کام کیا جاتا، پھر یا تو خان رحمان کے گھر کا چکر لگایا جاتا یا پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کا — اور کبھی وہ لوگ ان کے ہاں آجاتے — لہٰذا خوب گزرتی —

انسپکٹر جمشید کچھ دیر پہلے ہی دفتر کے لیے روانہ ہوئے تھے، وُہ ابھی تک صحن میں بیٹھے ایک دُوسرے پر جملے اچھال رہے تھے، فاروق کہہ رہا تھا:

"بھئی مجھے وہ چاروں رہ رہ کر یاد آتے ہیں۔"

"کون چاروں — اور یہ کیا نام ہوا وہ چاروں۔" فرزانہ نے بھنّا کر کہا —

"تمہیں تو بس بھنانے اور جلنے بھننے کے سوا کوئی کام نہیں آتا، میں شوکی برادرز کی بات کر رہا ہوں۔"

"جلتی ہے میری جوتی — اگر وہ تمہیں اتنے ہی یاد آ رہے ہیں تو جا کر ان سے مل آؤ۔" فرزانہ بولی۔

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو — جو وہ مُلک کے اسی حصّے میں، اسی شہر میں اور ہمارے محلّے میں کہیں رہتے ہیں۔" فارُوق نے تلملا کر کہا —

"ہوائی جہاز میں بیٹھ کر چلے جاؤ نا۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ تمہیں رہ رہ کر کیوں یاد آ رہے ہیں۔" محمود بول اُٹھا —

"ہاں! آخر رہ رہ کر ہی کیوں یاد آ رہے ہیں — کسی اور طرح کیوں یاد نہیں آ رہے۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"لو — اب رہ رہ کر کے پیچھے پڑ گئے — بات بے بات، ہر بات کے پیچھے پڑنا بھی کوئی تم سے سیکھے —"

"کوئی کیوں سیکھے — سیکھنے کے لیے تم جو موجود ہو۔" محمود مُسکرایا۔

"کیا آج تم دونوں نے مجھے چٹکیوں میں اُڑانے کا منصوبہ تو

نہیں بنا لیا۔" فارُوق گھبرا اُٹھا۔

"ہم ایسے ویسے، کچّے پکّے منصوبے نہیں بنایا کرتے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں — تم تو جیرال کی قسم کے منصوبے بنانے کے عادی ہو — یہ اور بات ہے کہ وہ چُوں چُوں کا مربّہ ثابت ہوں۔"

"تو جیرال کے منصوبے چوں چوں کے مربّے ثابت ہوتے تھے، اچھا — یہ نئی بات سُنی ہم نے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں جیرال کے منصوبوں کی نہیں، تمہارے پُھس پُھسے منصوبوں کی بات کر رہا ہوں۔" فارُوق نے کہا۔

"شکریہ — مجھے میرے —"

اس وقت بیگم جمشید بوکھلائے ہوئے انداز میں باورچی خانے سے نکلتی نظر آئیں:

"خیر تو ہے — امّی جان — باورچی خانے میں کوئی چوہا تو نظر نہیں آ گیا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"دماغ خراب تو نہیں ہو گیا، امّی جان اور چوہوں سے ڈریں گی۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"تو پھر — باورچی خانے شیر اور ہاتھی تو گھُسنے سے رہے۔"

"اور ہمارے گھر میں — چوہے کب ہیں۔" محمود بولا۔

"خیر — ثابت ہوا، امّی جان کو ایسی ویسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔"

فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! نہ جانے کیا بات ہے۔ مجھے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔"

"عجیب سا احساس۔ کیا مطلب!"

"مطلب یہ کہ۔ رات میں کچھ زیادہ ہی گہری نیند سوتی رہی۔ عام طور پر صبح چار بجے نماز کے لیے اٹھ جاتی ہوں، لیکن آج پورے ایک گھنٹے بعد آنکھ کھلی۔ مشکل سے ہی نماز قضا ہونے سے بچی۔ تم تینوں بھی دیر سے جاگے۔ تمہارے ابا جان بھی۔ آخر ایسا کیوں ہے۔"

"ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ رات گرمی بہت شدید تھی، صبح سویرے ٹھنڈی ہوا چلی۔ لہٰذا وقت پر آنکھ نہ کھل سکی۔" محمود بولا۔

"ہاں، لیکن۔ میرا خیال ہے۔ کوئی اور بات ہے۔"

"کوئی اور بات۔ بھلا کوئی اور کیا بات ہو سکتی ہے امی جان۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"بس مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم پانچوں کے دیر سے جاگنے کی ضرور کوئی اور وجہ ہے۔ تم ذرا معلوم تو کرو۔ کیا وجہ ہو سکتی ہے۔" بیگم جمشید خوف زدہ انداز میں بولیں۔

"معلوم کریں!" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں بالکل۔ آخر تم لوگ اس قسم کے تو کام کرتے رہتے ہو۔"

"جی بہتر۔ ہم ابھی یہ کوشش شروع کرتے ہیں۔ پہلے تو آپ یہ بتائیں، آپ کا اپنا خیال کیا ہے؟"

"یہ کہ۔ ہم مصنوعی نیند سوتے رہے۔" انھوں نے عجیب بات کی۔

"مصنوعی نیند۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"کسی نے ہمیں شاید بے ہوش کر دیا تھا۔"

"یہ۔ یہ۔ کس طرح ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"کیوں۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔ پائین باغ کی طرف سے کوئی چھت پر پہنچا۔ رسی کی مدد سے ایسا کیا جانا کچھ مشکل نہیں، پھر وہ نیچے اترا اور اس نے ہم پانچوں کو بے ہوشی کی دوا سنگھا دی۔" فاروق بولا۔

"سوال یہ ہے کہ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" فرزانہ بولی۔

"اس سوال کے جواب کی تلاش میں گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ امی جان کا خیال کس حد تک درست ہے، اگر درست ثابت ہو گیا تو ہم بعد میں غور کر لیں گے کہ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" محمود نے کہا۔

"بات بالکل ٹھیک ہے۔ تو پھر آؤ۔ لیجیے امی جان۔ ہم اس کیس پر کام شروع کر رہے ہیں۔"

"میں بھی یہی چاہتی تھی۔" وہ مسکرائیں۔

"آؤ بھئی۔ سب سے پہلے چھت کا جائزہ لیں۔ گھر کے اندر

پہنچنے کے لیے، ظاہر ہے، انھیں چھت کا رُخ کرنا پڑا ہوگا۔"

وہ چھت پر آئے — ابھی پچھلے دنوں ہی گھر میں رنگ و روغن اور سفیدی وغیرہ کی گئی تھی — اس لحاظ سے منڈیر بالکل صاف ہونی چاہیے تھی، لیکن جونہی انہوں نے منڈیر کا جائزہ لیا، چونکے بغیر نہ رہ سکے — منڈیر پر رسی کی رگڑ کے بالکل تازہ نشانات موجود تھے:

"یہ — یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"بیٹھے بٹھائے ایک کیس شروع ہوتے دیکھ رہے ہیں۔"

"ہوں! لیکن کیا یہ عجیب سی بات نہیں — کہ ہمیں اِس بات کا احساس نہیں ہوا — یہاں تک کہ ابّا جان کو بھی نہیں ہوا اور امّی جان کو ہوگیا۔" محمود بڑبڑایا۔

"اس میں عجیب بات کیا ہے — امّی جان بھی آخر ہمارے ساتھ رہتی ہیں — جاسوسی ماحول ان پر بھی پوری طرح اثر انداز ہو چکا ہے۔"

"خیر — آؤ — آگے بڑھیں — اس بار معاملہ اس لحاظ سے اور بھی دلچسپ اور سنسنی خیز ہے کہ ہمارے اپنے گھر کا ہے۔"

اب وہ زینے کی طرف بڑھے — لیکن پھر یاد آیا — زینہ تو اندر سے بند ہی ملا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اندر داخل ہونے والا شخص رسی کی سیڑھی کے ذریعے ہی نیچے تک پہنچا تھا — چنانچہ انہوں نے صحن کی منڈیر کا بھی جائزہ لیا، یہاں بھی رگڑ کے نشانات موجود تھے۔

"اُف اللہ — معلوم ہوتا ہے، ہمارا گھر رات مجرموں کا اکھاڑا بنا رہا ہے۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

اب وہ نیچے آئے — گھر کے ایک ایک حصّے کا جائزہ لیا — اور آخر اپنے ابّا جان کے کمرے میں داخل ہوئے:

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں، جو کوئی بھی تھا، یا تھے — اس کمرے میں آئے تھے — گھر کے کسی اور حصّے میں نہیں گئے تھے۔"

"اور اندر آنے کے بعد اُنھوں نے امّی جان اور ابّا جان کو بے ہوش کر دیا — شاید ہمارے کمرے میں آ کر ہمیں بھی بے ہوشی کی دَوا سنگھا دی — اور پھر اپنا کام کر کے چلتے بنے — بس اُنھوں نے عجیب کام یہ کیا کہ واپس بھی رسی کی سیڑھی کے ذریعے گئے — حالانکہ وُہ صدر دروازہ بھی استعمال کر سکتے تھے اور اس طرح انھیں محنت بھی بہت کم کرنا پڑتی، لیکن انھوں نے محنت کرنا اور تکلیف اٹھانا پسند کیا، دروازہ نہیں کھولا، تاکہ ہمیں ان کی کارروائی کا احساس تک نہ ہو سکے۔"

"ہاں، لیکن وُہ ایسا کیوں چاہتے تھے؟"

"یہی ہمیں معلوم کرنا ہے۔"

اُنھوں نے تجوری اور الماریوں کا جائزہ لیا — الماریوں میں کسی قدر بے ترتیبی کے آثار نظر آئے — بعض فائلیں کسی قدر سرکی ہوئی نظر آئیں —

"اب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ امی جان کا خیال ہی درست تھا، لیکن کیا چیز گم ہے۔ یہ بات صرف اور صرف ابا جان بتا سکتے ہیں۔ لہٰذا آؤ۔ ہم انھیں فون کریں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں اور کیا، جو بات صرف اور صرف ابا جان بتا سکیں، اس کے لیے تو انھیں فون کرنا ہی پڑتا ہے۔" فاروق بولا۔

تینوں فون کے پاس آئے۔ بیگم جمشید نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا:

"کیوں کیا رہا؟"

"ہماری تفتیش کہتی ہے کہ آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔"

"اُف خُدا۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟" وہ اچھل پڑیں۔

"یہ بات تو آپ بہت اچھی طرح جانتی ہیں امی جان کہ ہم جھوٹ بولتے ہی نہیں۔"

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔ میں بے خیالی میں کہہ گئی۔"

اتنی دیر میں محمود ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر چکا تھا۔ دُوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ وہ انتظار کرتا رہا، گھنٹی بجتی رہی اور پھر اس کی پیشانی پر لکیریں اُبھر آئیں:

"یہ۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا۔ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"یہ کہ فون کی گھنٹی بج رہی ہو اور ریسیور نہ اُٹھایا جائے۔

جب کہ دفتر کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ ابا جان اگر اپنے دفتر میں نہیں ہیں تو انکل اکرام تو ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی نہیں ہیں تو بابا فضل تو دروازے پر موجود ہوں گے، پھر کوئی ریسیور کیوں نہیں اٹھا رہا۔ آؤ فارُوق۔ فرزانہ جلدی کرو۔ وہاں خیریت نہیں ہے۔"

محمود نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑ پڑا، فارُوق اور فرزانہ بھی بے تحاشہ اس کے پیچھے دوڑے۔

معاملہ اُلجھ گیا

بے تحاشہ رفتار پر چلتے وُہ دفتر پہنچے، موٹر سائیکلیں کھڑی کیں اور اندر کی طرف بھاگے۔

"خیر تو ہے۔آپ لوگوں کو کیا ہوا؟" پٹھان چوکیدار حیران ہو کر بولا، لیکن اُنھوں نے تو جیسے سُنا ہی نہیں۔فوراً دفتر کے دروازے پر پہنچے۔ اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ بابا فضل اپنے بنچ پر لیٹے سو رہے تھے۔

وُہ جلدی سے اندر داخل ہوئے۔ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ان کے والد اور اکرام اپنی اپنی میز پر سر ٹکائے سو رہے تھے۔کمرے میں ہر طرح ترتیب قائم تھی۔کہیں کسی گڑبڑ کے آثار نہیں تھے۔

"ابا جان۔آپ کو کیا ہوا؟" محمود نے انھیں کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔فاروق نے اکرام کو ہلایا۔ادھر فرزانہ ڈاکٹر کو فون کرنے لگی۔ ڈاکٹر کو فون کرنے کے بعد اس نے آئی جی صاحب کے نمبر گھمائے:

"ہیلو انکل۔فرزانہ بول رہی ہوں۔ابا جان، انکل اکرام اور

بابا فضل اپنے دفتر میں بے ہوش پڑے ہیں۔ہم ابھی ابھی یہاں پہنچے ہیں اور یہ منظر دیکھتے ہی میں نے آپ کو اِطلاع دینا مناسب خیال کیا۔"

"اوہو۔میں آ رہا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

فرزانہ نے ریسیور رکھا اور بابا فضل کو ہلانے جلانے لگی۔ لیکن ان تینوں نے آنکھیں نہ کھولیں۔اب انھوں نے نبض ٹٹولی۔ دل کی دھڑکنیں محسوس کیں اور محمود بولا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گہری نیند سو رہے ہوں۔"

"تب یہ بے ہوشی ایسی ہی ہے۔جیسی رات ہم پر طاری کی گئی۔" فرزانہ نے کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔یہ ہو کیا رہا ہے۔"

اتنے میں آئی جی شیخ نثار احمد اور ڈی آئی جی افتخار احمد خان اور کچھ دوسرے لوگ وہاں پہنچ گئے۔سب فکرمندانہ نظروں سے انسپکٹر جمشید، سب انسپکٹر اکرام اور بابا فضل کو دیکھنے لگے:

"معلوم ہوتا ہے۔آج مُلک کے ہوشیار ترین آدمی چوٹ کھا بیٹھے ہیں۔" انھوں نے انسپکٹر فضلی کی طنزیہ آواز سُنی۔

اسی وقت قدموں کی آواز سُنائی دی۔اور ڈاکٹر انصاری اندر داخل ہوئے۔منہ سے ایک لفظ کہے بغیر اُنھوں نے باری باری تینوں کا معائنہ کیا اور آخر سیدھے ہوتے ہوئے بولے:

ان پر صرف گہری نیند طاری ہے اور کوئی بات نہیں۔ بہتر ہو گا کہ یہ خود بخود ہوش میں آئیں، اگر دواؤں کے ذریعے ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی تو نقصان ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ان پر یہ نیند کس طرح طاری ہو گئی؟"

"کوئی نیند آور دوا سنگھائی گئی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"گویا خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہاں بالکل۔" ڈاکٹر انصاری نے کہا۔

"تب ہم چلتے ہیں۔ جب یہ ہوش میں آ جائیں، ہمیں اطلاع دے دیجیے گا۔" آئی جی بولے اور دونوں چلے گئے۔ ان کے ساتھ جو دوسرے آفیسر آئے تھے۔ وہ بھی ایک ایک کر کے چلتے بنے۔ ڈاکٹر انصاری وہیں ایک کرسی پر جم گئے۔ آخر ایک گھنٹے بعد انسپکٹر جمشید نے آنکھیں کھولیں۔ اس دوران محمود گھر فون کر کے اپنی امی جان کو اطمینان دلا چکا تھا۔

"تو تم لوگ یہاں پہنچ چکے ہو۔" وہ انہیں دیکھ کر مسکرا دیے۔

"خدا کا شکر ہے ابا جان۔ آپ ہوش میں آ گئے۔ ہوا کیا تھا؟" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہوا کیا تھا۔" وہ بڑبڑائے۔ جیسے سوچ رہے ہوں۔ ہوا کیا تھا، پھر چونک کر انھوں نے میز کا جائزہ لیا اور سرسراہٹ زدہ لہجے میں بولے:

"تت۔ تو یہ۔ سارا چکر فائل نمبر ۳۱۲ کا تھا۔"

"فائل نمبر تین سو بارہ۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔" وہ کہتے کہتے رک گئے۔ پھر چونک کر ریسیور ہاتھ میں لیا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔ سلسلہ جلد ہی مل گیا:

"ہیلو۔ کون صاحب بول رہے ہیں۔" انھوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"آپ کون ہیں اور کس نمبر پر فون کیا ہے۔"

"میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ یہ سنٹرل جیل ہی ہے نا۔"

"اوہ۔ تو یہ آپ ہیں۔ جی ہاں۔ میں رحیم داد بول رہا ہوں۔"

"رحیم داد!" وہ حیران ہو کر بولے۔ "سپرنٹنڈنٹ جیل۔"

"جی ہاں۔ کیوں۔ کیا اس نمبر سے کسی اور کو بولنا چاہیے۔"

"آپ نے آج کا اخبارِ وطن دیکھا؟"

"ہاں کیوں۔ کیا بات ہے اس میں۔"

"شاید اس میں ابھی تک آپ کو اپنی تبدیلی کی خبر نظر نہیں آئی۔" وہ بولے۔

"ارے اچھا۔ کمال ہے۔ میری تبدیلی ہو گئی اور مجھے خبر تک نہیں۔ ٹھہریے۔ میں ابھی دیکھتا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی۔ پھر آواز ابھری:

"اف خدا۔ یہاں تو واقعی تبدیلی کی خبر موجود ہے، بلکہ اسلم نیازی

نے چارج بھی سنبھال لیا ہے۔ اف خدا۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔"

" دفتر میں ہی موجود رہیے گا۔ میں آ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا:

" آؤ بھئی چلیں۔" انہوں نے ان سے کہا۔

اس وقت تک اکرام اور بابا فضل بھی ہوش میں آ چکے تھے، اکرام کو انہوں نے دفتر میں ہی ٹھہرنے کی ہدایت کی اور باہر نکل کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ جلد ہی وہ جیل پہنچ گئے۔ رحیم داد اپنے دفتر میں بُت بنے بیٹھے تھے، انہیں دیکھتے ہی اُچھل پڑے:

" یہ۔ یہ سب کیا ہے انسپکٹر صاحب؟"

" ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سب سے پہلے تو آپ اپنے ریکارڈ کا جائزہ لیں اور مجھے بتائیں کہ سوکھے خان جیل میں موجود ہے یا نہیں۔ اس کی فائل نکلوائیں۔ میں سوکھے خان کے بارے میں ہر بات جاننا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہم اخبار کی خبر کی طرف توجہ دیں گے۔"

" میں بہت پریشان ہوں۔ جلد ہی میرے عزیزوں، رشتے داروں اور دوستوں کے فون آنے شروع ہو جائیں گے۔"

" فکر نہ کریں۔ اب آپ کو ان لوگوں کے لیے وضاحت کرنا ہی پڑے گی۔ مجھے تو حیرت اخبار والوں پر ہے۔ انہوں نے یہ خبر کس طرح چھاپ دی۔ ملک کا سب سے بڑا اخبار۔ اور سب

سے مشہور بھی۔ جس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اس میں کوئی غلط خبر چھپتی ہی نہیں۔"

اُنہوں نے اپنے ایک ماتحت کو بُلا کر فائل نمبر ۳۱۲ نکالنے کے لیے کہا۔ دُوسری طرف ایک نگران کو حکم دیا:

" سوکھے خان کو کوٹھڑی سے نکال کر یہاں لے آؤ۔"

" جی بہتر!"

سوکھے خان کے آنے سے پہلے ماتحت کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار تھے:

" سر! فائل نمبر ۳۱۲ غائب ہے۔"

" کیا کہا۔ غائب ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" رحیم داد چلّا کر بولے۔

" فائل جس جگہ رکھی گئی تھی، وہاں موجود نہیں ہے۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

" میرے خیال میں یہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ فائل واقعی غائب کر دی گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" جی۔ کیا مطلب!"

" مطلب تو خود ابھی تک میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ دیکھیں۔۔۔ نگران سوکھے خان کو لاتا ہے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" کیا مطلب۔ کیا۔ آپ کے خیال میں۔" رحیم داد نے حیرت زدہ

انداز میں کہتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

اسی وقت نگران اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں:

"سس۔سر۔سوکھے خان اپنی کوٹھڑی میں نہیں ہے۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔" رحیم داد اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"پپ۔پتا نہیں سر۔کس طرح ممکن ہے۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"چلو۔میں دیکھتا ہوں۔آپ بھی چلیں گے جناب۔" اس نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں۔کیوں نہیں۔کیونکہ تھانے میں موجود سوکھے خان کی فائل چند روز پہلے میں نے منگوائی تھی۔اسے بھی میرے دفتر سے اڑا لیا گیا ہے۔"

"کیا!" رحیم داد چلا اُٹھے۔

○

ان کے چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار دوڑ گئے۔پھر کانپتی آواز میں بولے:

"اب تو مجھے یہاں سے ضرور ہی تبدیل کر دیا جائے گا۔اور اس طرح اخبارِ وطن کی خبر درست ثابت ہو جائے گی۔"

"نہیں جناب۔ایسا نہیں ہو سکے گا۔" انسپکٹر جمشید عجیب سے لہجے میں بولے۔

"جی کیا مطلب۔کیسا نہیں ہو سکے گا؟" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ ابھی یہاں سے تبدیل نہیں ہو سکیں گے۔" ان کا لہجہ قدرے سرد تھا۔

"میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"پہلے کوٹھڑی کا جائزہ لے لیں، پھر میں آپ کو اپنی بات کا مطلب بھی بتا دوں گا۔" انہوں نے کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ان کی سمجھ میں قطعاً کچھ نہیں آ رہا تھا۔آخر وہ کوٹھڑی کے دروازے تک پہنچ گئے۔دروازے میں تالا بس اٹکا ہوا تھا۔وہ کھلا تھا۔گویا سوکھے خان نے نہایت اطمینان سے تالا کھولا، باہر نکلا، دروازہ بند کیا اور باہر نکل گیا۔اس کے بعد اس نے دیوار وغیرہ کس طرح پھلانگی۔یہ وہ بتا سکتا تھا یا پھر تفتیش کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا تھا:

"اسے تالے کی چابی دی گئی۔اور شاید رسی وغیرہ بھی۔لہذا اس کے لیے فرار ہونا بھلا کیا مشکل تھا۔اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"سوکھے خان کل تک جیل میں موجود تھا اور شاید اس وقت تک اس کی فائل بھی موجود تھی۔اس کے بعد فائل کس طرح چوری ہوئی۔"

اور اسے جیل سے نکلنے میں کس نے مدد دی - میں کچھ نہیں جانتا ۔"

"کیوں - آپ آخر اس جیل کے سپرنٹنڈنٹ ہیں ۔" انہوں نے کہا۔

"ہاں ، لیکن رات کے وقت میری ڈیوٹی نہیں ہوتی - میرے اسسٹنٹ اکرم منیر کی ڈیوٹی ہوتی ہے ۔"

"اس وقت وہ کہاں ہوں گے ؟"

"اپنے گھر ۔" انھوں نے کہا۔

"خیر ہم ان سے بھی مل لیتے ہیں - پہلے تو آپ وضاحت کر دیں، آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں ۔"

"یہ کہ میرا سوکھے خان کو مدد دینے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں اور نہ فائل میں نے چوری کرائی ہے ۔"

"تب پھر آپ کے خیال میں یہ کام کون کر سکتا تھا ۔" انسپکٹر جمشید بول اُٹھے ۔

"مجھے نہیں معلوم ۔"

"بہت بہتر - آؤ بھئی چلیں - محمود - تم ذرا اکرم منیر صاحب کا پتا لکھ لو ۔"

"تو کیا - آپ جیل کا معائنہ نہیں کریں گے - اور نگرانوں سے سوالات وغیرہ نہیں کریں گے ؟"

"نہیں - اس کا کوئی فائدہ نہیں - جیل کا معائنہ کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ وہ کس جگہ سے اور کس

طرح فرار ہوا - نگرانوں سے سوالات کرنا البتہ ضرور مفید ہوں گے - کیونکہ کوئی نہ کوئی تو ایسا ہے جس نے چابی اور رسی وغیرہ کا بندوبست کر کے سوکھے خان کو پہنچائی ہوں گی ۔"

"تب پھر - آپ کیوں ایسا نہیں کرتے ؟"

"ہم ضروری کام پہلے کریں گے - جیل کے نگران کہاں بھاگے جاتے ہیں - ان سے تو کسی وقت بھی آ کر سوالات کیے جا سکتے ہیں، آؤ ۔"

وُہ باقی لوگوں کو اسی جگہ حیرت زدہ چھوڑ کر باہر کی طرف چل پڑے:

"ابا جان ! ہم بہت بے چین ہیں ۔" فرزانہ بولی۔

"یہ بات میں جانتا ہوں ۔" وُہ مسکرائے ۔

"تب پھر آپ کیوں پہلے ہماری بے چینی دُور نہیں کر دیتے ۔"

"بھئی جو مزا بے چینی میں ہے ، وہ چین میں کہاں ۔" انہوں نے کہا۔

"یہ آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ کو بہت کچھ معلوم ہے ، جب کہ ہمیں کچھ بھی نہیں معلوم ۔"

"خیر - ابھی تو مجھے بھی بہت کچھ معلوم نہیں ۔" انہوں نے کہا۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں ؟"

"اخبارِ وطن کے دفتر - رحیم داد صاحب کی تبدیلی عمل میں نہیں آئی ، اس قسم کی کوئی خبر سننے میں بھی نہیں آئی ، پھر اخبارِ وطن نے یہ خبر کس طرح شائع کر دی - ہمیں یہ بات جاننا ہو گی ۔"

"بات تو بالکل معقول ہے۔"

جیل سے باہر نکل کر وہ جیپ میں بیٹھے اور اخبار کے دفتر میں پہنچ گئے۔ ایڈیٹر کے کمرے میں داخل ہوئے تو ایک بہت بڑی میز کے دوسری طرف ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا نظر آیا۔ میز کے تینوں طرف بھی کرسیوں پر کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے۔ دروازے پر موجود چپراسی نے انہیں یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کی تھی کہ۔ جناب۔ اندر میٹنگ ہو رہی ہے۔ لیکن وہ بھلا کب کسی میٹنگ کو خاطر میں لانے والے تھے۔

ان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سب زور سے چونکے۔ چپراسی بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہوا تھا۔ ایڈیٹر نے چونک کر کہا:

"یہ کون لوگ ہیں اور تم نے انھیں اندر کیوں آنے دیا۔"

"میں نہیں جانتا جناب۔ یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے انھیں روکا تھا، لیکن یہ زبردستی اندر گھس آئے۔"

"اس صورت میں انھیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے، جامی، پولیس کو فون کرو۔"

"او کے سر۔"

"میرے خیال میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں اور میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کے تبادلے والی خبر اخبار میں کس طرح شائع ہو گئی۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تت۔ تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔" ایڈیٹر صاحب نے ہکلا کر کہا۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔" فاروق بول اُٹھا۔

"تشریف رکھیے جناب۔ مجھے افسوس ہے۔ میں نے آپ کا نام جانے بغیر پولیس کو فون کرنے کی ہدایت کی۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ دراصل ہم اس وقت بہت ہی پریشان کن مسئلے پر بات کر رہے تھے۔"

"چلیے خیر۔ کوئی بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"انعام راہی اب تک نہیں آیا۔" ایڈیٹر صاحب نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ہم خود حیران ہیں۔" ایک ماتحت بولا۔

"یہ انعام راہی کون صاحب ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہمارے ایک رپورٹر۔" ایڈیٹر صاحب نے کہا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"آپ کے سوال کا جواب صرف آپ ہی نہیں۔ ہم سب جاننے کے لیے بے چین ہیں اور یہ میٹنگ اسی سلسلے میں ہو رہی ہے۔ یہ خبر انعام راہی کا فون ملنے پر نوٹ کی گئی تھی۔ انعام راہی ہمارا سب سے بہترین رپورٹر ہے، اس کی خبر کبھی غلط نہیں ہوتی۔ لہٰذا کسی نے اس خبر کی تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اس طرح یہ خبر

چھپ گئی۔ اب ہم سب انعام راہی کا انتظار کر رہے ہیں، میں نے اپنے
بیسیوں آدمی اس کی تلاش میں دوڑا رکھے ہیں۔ تاکہ وہ جہاں کہیں
بھی ملے۔ اسے دفتر پہنچنے کی ہدایت کر دی جائے۔ واضح رہے
کہ سب سے پہلے ہم نے اسے اس کے گھر اور مخصوص جگہوں پر دیکھا
تھا۔ لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔"

"ہوں۔ یہ تو معاملہ اور بھی اُلجھ گیا" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

اسی وقت ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ
زرد تھا، ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں اور آنکھوں میں ویرانی تھی:

"اُف راہی۔ تم کہاں رہے اب تک؟" ایڈیٹر صاحب چلا اُٹھے۔

اُنگلیوں کے نشانات

انعام راہی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ وہ دھم سے ایک
خالی کرسی پر گر گیا۔ چند لمحوں تک لمبے لمبے سانس بھرتا رہا۔ جیسے میلوں
کا فاصلہ دوڑ کر طے کیا ہو۔ آخر کار اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا:

"آپ لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ میں نے سپرنٹنڈنٹ جیل کے تبادلے
کی خبر کیوں بھیجی، جب کہ تبادلہ ہوا ہی نہیں۔ تو سنیے۔ کل جب میں
یہاں سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تو سڑک کے کنارے
کھڑے ایک شخص نے لفٹ کا اشارہ کیا، وہ کافی پریشان نظر آ رہا
تھا۔ میں نے سوچا، چلو اس بے چارے کی مدد ہو جائے گی۔
کار اس کے قریب روک لی، وہ کار میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا، اسے
جلد از جلد شہر سے باہر جانے والی مشرقی سڑک پر پہنچنا ہے، کیونکہ
وہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ جس میں اس کی بیوی بھی زخمی ہوئی ہے،
چنانچہ میں نے کار کا رُخ شہر سے باہر جانے والی مشرقی سڑک کی
طرف کر دیا۔ جونہی کار شہر سے باہر نکلی، اس نے جیب سے پستول

نکال کر میری کن پٹی پر رکھ دیا۔ اور کار روکنے کا حکم دیا۔ میں نے
گھبرا کر کار روک دی ۔ فوراً ہی تین نوجوان کار کی طرف بڑھے اور
مجھے رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ اب مجھے سیٹوں کی درمیانی جگہ پر لٹا
دیا گیا اور خود بے دردی سے میرے اوپر پاؤں رکھ کر بیٹھ گئے،
میرے چہرے کے اوپر ایک کپڑا ڈال دیا گیا۔ کار واپس موڑی گئی۔
اور پھر شہر میں نہ جانے کس جگہ اسے لے جایا گیا۔ جب مجھے کار سے
نکالا گیا تو وہ ایک گیراج میں کھڑی تھی ۔ مجھے ایک کمرے میں لایا گیا،
یہاں فون موجود تھا ، لیکن فون پر اس کے نمبر درج نہیں تھے ۔
ان میں سے ایک نے مجھے ایک کاغذ کا پرزہ دیا ، اس پر وہی الفاظ
درج تھے جو میں نے بذریعہ فون نوٹ کرائے ۔ انہوں نے اس
بات پر زور دیا کہ میں اخبار کے دفتر میں فون کرکے یہ خبر نوٹ کرا
دوں۔ ساتھ ہی انہوں نے دھمکی دی کہ اگر خبر شائع نہ ہوئی تو
مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا ، اس پر میرا خون کھول
اٹھا ، میں نے چلا کر کہا :

’ تم لوگ بے شک مجھے موت کے گھاٹ اتار دو ، لیکن میں یہ
غلط خبر اخبار کے دفتر کو نہیں دوں گا ‘

’ تمہارے تو بڑے بھی دیں گے ‘

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ مجھ پر پل پڑے۔ اور مجھے خوب
مارا پیٹا ، پھر بولے :

’ ہاں رپورٹر صاحب ۔ اب کیا پروگرام ہے ؟ ‘

’ ہرگز نہیں ہو سکتا ‘

’ یہ اس طرح نہیں مانے گا ‘ ان میں سے ایک بول اٹھا ۔

’ تو پھر کس طرح مانے گا ‘ دوسرے نے کہا ۔

’ اس کی کار لے کر اس پتے پر چلے جاؤ ۔ ‘ اس نے کہا ۔ اور
ایک کاغذ جیب سے نکال کر اسے دیا ۔ وہ چلا گیا ۔ آدھ گھنٹے بعد میری
بیوی ان کے ساتھ اندر آتی نظر آئی ۔ بچی بھی اپنی ماں کی انگلی پکڑے
ہوئے تھی ، مجھ پر نظر پڑتے ہی میری بیوی بول اٹھی :

’ ارے ۔ یہ تو بالکل ٹھیک ہیں ، تم نے تو کہا تھا ، ان کا ایکسیڈنٹ
ہو گیا ہے ‘

’ ہم نے ٹھیک کہا تھا ، ایکسیڈنٹ تو تم سبھی کا ہو گا ۔ ہاں مسٹر
رپورٹر اب کیا کہتے ہو ۔ اپنی بچی اور بیوی کی زندگی عزیز ہے یا نہیں ‘

’ کیا مطلب ‘ میری بیوی خوف زدہ انداز میں چلا اٹھی ۔ بچی
تو پہلے ہی سہمی ہوئی تھی ۔

’ یہ ۔ یہ ظلم ہے ‘ میں چیخ اٹھا ۔

’ اور یہ ظلم تم خود اپنے اوپر توڑ رہے ہو ‘

آخر مجھے ان کی بات ماننا پڑی ۔ میں اپنی بچی کی سہمی ہوئی شکل
صورت دیکھ کر لرز گیا ۔ ان ظالموں کے تیور بہت خطرناک تھے ۔
فون کرانے کے بعد انھوں نے مجھے وہیں روکے رکھا ؛ البتہ بیوی اور

بچی کو گھر پہنچا دیا ؛ تاہم انھوں نے ہدایت کی کہ وُہ اخبار شائع ہونے کے بھی کئی گھنٹے بعد تک اس سلسلے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرے ، ورنہ شوہر زندہ حالت میں نہیں ملے گا ۔ اب انہوں نے مجھے آزاد کیا تو میں یہاں تک پہنچا ہوں ۔" یہاں تک کہہ کر انعام راہی خاموش ہو گیا ۔

" واپسی پر بھی انہوں نے آپ کے منہ پر کپڑا ڈال رکھا ہو گا اور آپ کچھ بھی نہیں دیکھ سکے ہوں گے ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" جی ہاں ! بالکل یہی بات ہے ۔"

" مطلب یہ کہ آپ ہمیں اس مکان تک نہیں لے جا سکتے ۔"

" جی نہیں ۔" اس نے انکار میں سر ہلایا ۔

" خیر کوئی بات نہیں ۔ ہم اس کیس پر پہلے سے کام کر رہے ہیں ، آپ لوگ فکر نہ کریں ۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے ۔

" ابا جان ! ہم یہ بات جاننے کے لیے بہت بُری طرح بے چین ہیں کہ آپ نے تھانے سے سوکھے خان کی فائل کیوں منگائی تھی ۔" محمود بولا ۔

" جی ہاں ، اور جب ہم بہت بُری طرح بے چین ہو جائیں تو پھر اصل بات جانے بغیر نہیں رہ سکتے ۔" فاروق مسکرایا ۔

" تو ٹھیک ہے ۔ جان لو ، منع کس نے کیا ہے ۔" انسپکٹر جمشید بھی جواب میں مسکرا دیے ۔

" جی کیا مطلب ۔ ہم خود جان لیں ، یہ کس طرح ہو سکتا ہے ۔"

" عقل پر زور دے کر ۔"

" جی ۔ بھلا ہم عقل پر زور دے کر یہ بات کس طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ نے سوکھے خان کی فائل تھانے سے کیوں منگائی تھی ، جب کہ ہم سوکھے خان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ۔"

" اس کے بارے میں تفصیلات تمہیں بتائے دیتا ہوں ۔ آؤ جیپ میں بیٹھو ۔ اب ہم ذرا انسپکٹر گوگل سے ملیں گے ۔"

" انسپکٹر گوگل ۔" فرزانہ نے سوچ کے انداز میں کہا ، پھر چونک کر بولی : " اوہ اچھا ۔ جن کے پاس سوکھے خان کی فائل تھی ۔"

" ہاں ۔ وہی ۔" انھوں نے جیپ سٹارٹ کرتے ہوئے کہا ۔ اتنی دیر میں وہ بھی سوار ہو چکے تھے ۔

" سوکھے خان ایک قاتل تھا ۔ ایک پولیس انسپکٹر مہربان علی نے اس کیس پر کام کیا اور آخر سوکھے خان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ، عدالت نے اسے عُمر قید کی سزا سُنا دی ۔ اب وہ جیل کاٹ رہا تھا ۔ مجھے اس کیس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا ۔ اچانک مجھے ایک اِطلاع ملی ۔ یہ اِطلاع مجھے مقتول کے بھائی نے دی تھی ۔ قتل ہونے والا دراصل ایک جواری تھا ۔ سوکھے خان اس کے ساتھ جوا کھیل رہا تھا ۔ کھیل کے دوران دونوں میں جھگڑا ہو گیا ۔ جھگڑا بہت بڑھ گیا اور آخر وہ جواری سوکھے خان کے ہاتھوں مارا گیا ۔ سوکھے خان اس جگہ سے فرار ہو گیا ۔ بعد میں تفتیش کر کے انسپکٹر مہربان علی

نے اسے گرفتار کیا۔ چونکہ علاقہ انسپکٹر گوگل کا لگتا تھا، لہذا چالان اس
تھانے کے ذریعے عدالت میں پیش کیا گیا۔"

"لیکن آپ کو اِطلاع کیا مِلی تھی؟" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"ہاں۔ اس معاملے کا یہی پہلو سب سے اہم ہے۔ کیونکہ یہ
معاملہ دوبارہ اسی لیے شروع ہوا۔ اگر مجھے وُہ اِطلاع نہ ملتی تو میرے
فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ نے وجہ اب بھی نہیں بتائی۔" محمود نے کہا۔

"بتاؤں بھی کیسے۔ جیپ تھانے تک پہنچ چکی ہے۔ آؤ پہلے
انسپکٹر گوگل سے مِل لیں۔"

اُنھوں نے چونک کر دیکھا۔ واقعی جیپ تھانے میں داخل ہو رہی
تھی۔ انسپکٹر گوگل انھیں دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا:

"آئیے جناب۔ تشریف لے آئیے، آپ ضرور سوکھے خان کی فائل کے
سلسلے میں تشریف لائے ہوں گے۔"

"ہاں! آپ کا اندازہ درست ہے۔" وُہ بولے۔

"میں حیران ہوں۔ یکایک یہ کیا چکر شروع ہو گیا۔ سوکھے خان
تو عمر قید کی سزا کاٹ رہا تھا۔ پھر اس کی فائل دیکھنے کی آپ کو
کیا ضرورت پیش آگئی۔ جونہی آپ نے فائل منگوائی۔ یہ چکر شروع
ہو گیا۔"

"تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ سب کچھ۔"

"یہ کہانی تو اس وقت پورے شہر کے پولیس اسٹیشنوں تک پہنچ
چکی ہے جناب۔"

"اوہو۔ اچھا۔ پھر تو کمال ہے۔" انہوں نے فوراً کہا، پھر چند سیکنڈ
ٹھہر کر بولے:

"میں نے آپ سے فائل منگوائی تھی، اس بات کا علم آپ کے
تھانے میں آپ کے علاوہ اور کس کس کو ہے۔"

"یہ کوئی خفیہ معاملہ تو تھا نہیں۔ آپ کے اسسٹنٹ جب آئے
تھے تو سبھی کے سامنے میں نے فائل نکالنے کے لیے کہا تھا اور فائل
ان کے حوالے کی تھی۔" اس نے بتایا۔

"گویا یہ بات سبھی کو معلوم ہو گئی تھی کہ میں نے سوکھے خان کی
فائل منگوائی تھی۔"

"جی ہاں! اور ہم سب کو حیرت بھی ہوئی تھی کہ آخر آپ نے
یہ فائل کیوں منگوائی، جب کہ معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ مجرم کو عمر قید کی
سزا سُنائی جا چکی ہے۔"

"اور اب دیکھیے۔ ادھر میں نے فائل منگوائی۔ ادھر اسے اڑانے کا
منصوبہ ترتیب دے دیا گیا۔ اخبار میں سپرنٹنڈنٹ جیل کے تبادلے کی
جھوٹی خبر زبردستی چھپوائی گئی، اس خبر کا سہارا لے کر فائل میرے دفتر
کی الماری سے نکلوائی گئی۔ تاکہ میز پر سے اسے نہایت آسانی سے
اڑایا جا سکے۔ ادھر میں نے فائل نکلوا کر میز پر رکھی، ادھر مجرموں کا

ساتھی مُلاقاتی بن کر آ پہنچا اور ہمیں بے ہوش کر کے فائل اڑا لے گیا۔
ہم جیل پہنچے تو جیل کے ریکارڈ سے بھی فائل غائب تھی۔ نہ صرف فائل
بلکہ جیل کی کوٹھری سے سوکھے خان بھی غائب تھا۔ اسے غائب ہونے
کے لیے باقاعدہ چابی دی گئی۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ کیوں ہے۔"
انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رُک گئے۔

"اور آپ نے فائل کس لیے منگوائی تھی؟"

"ذرا اس کا معائنہ کرنا چاہتا تھا۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"لیکن کیوں۔ آپ کو معائنہ کرنے کا خیال کس طرح آ گیا؟" اس
نے پوچھا۔

"بس اس معاملے میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔" یہ کہتے ہوئے
وُہ اٹھ کھڑے ہوئے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

وہ باہر نکل کر جیپ میں بیٹھے:

"کیوں بھئی۔ اب کہاں چلیں؟"

"انسپکٹر مہربان کے ہاں۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا۔ ان دنوں وُہ کس جگہ لگے
ہوئے ہیں۔ محمود۔ ذرا گوگل صاحب سے معلوم کر آنا ان کا پتا۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔ واپس آیا تو چہرے پر حیرت
کے آثار تھے، آتے ہی بولا:

"ان کا پتا نہیں ہے، لیکن گوگل صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے
ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے اور وہ اپنے گھر کے افراد کو لے
کر کسی نامعلوم جگہ پر جا چکے ہیں۔"

"کیا۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر بھی حیرت کے آثار پھیل گئے۔

○

چند لمحے تک وہ گہری سوچ میں ڈوبے رہے۔ ایک دُوسرے کی
طرف تکتے رہے۔ آخر فاروق نے کہا:

"ہمیں ان کے مکان کا جائزہ تو لینا ہی چاہیے۔"

"بہت معقول مشورہ ہے۔ اور شاید فاروق نے زندگی میں پہلی
بار اتنا معقول مشورہ دیا ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"لو اور سنو۔ مشوروں اور ترکیبوں کا ٹھیکہ خود لے رکھا ہے۔
مجھے مہلت ہی کہاں ملتی ہے۔" فاروق جل کر بولا۔

"مجرم بہت تیزی سے سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے پہلے ہی
انسپکٹر مہربان کو ملازمت چھوڑ کر شہر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔
اس کا مطلب ہے۔ یہ کوئی بہت گہرا چکر ہے۔ آؤ جلدی کرو۔"

جیپ میں بیٹھ کر وُہ اس پتے پر پہنچے۔ یہ ایک صاف ستھرا، لیکن

چھوٹا سا مکان تھا۔ دروازے پر تالا لٹک رہا تھا۔

"اب کیا کریں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"کرنا کیا ہے۔ کھول ڈالو اسے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بات ہے تو لیجیے۔" محمود نے کہا، جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور تالے پر جٹ گیا۔

"ارے۔ وہ بات تو رہ ہی گئی۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"کک۔ کون سی بات۔" فاروق گڑبڑا کر بولا۔

"وہی۔ جسے جاننے کے لیے ہم سب بے چین ہیں۔ یعنی آپ نے فائل کیوں منگوائی تھی۔"

"بھئی۔ پہلے اس مکان کا جائزہ تو لے لو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ویسے ابا جان! اس موقعے پر میں ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔" فاروق گنگنایا۔

"تو اس میں اجازت چاہنے کی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیا خبر۔ کوئی ضرورت ہو ہی۔" محمود نے ایک چابی گھماتے ہوئے کہا۔

اس وقت یک سڑک کے کنارے چند آدمی رک کر ان کی کارروائی کو دیکھنے لگے تھے۔ آخر ان میں سے ایک ہمت کرکے آگے بڑھا:

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں جناب؟"

"آپ دیکھ نہیں رہے۔ تالا کھول رہے ہیں۔"

"لیکن۔ جناب۔ یہ مکان تو انسپکٹر مہربان علی صاحب کا ہے اور وہ کچھ دن پہلے دوسرے شہر چلے گئے ہیں۔"

"ہاں! ہم جانتے ہیں۔ یہ پولیس کا معاملہ ہے۔ ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔"

"اوہ!" وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا اور وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ ساتھ ہی اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

اندرونی حصوں پر گرد کی ہلکی سی تہہ جمی تھی۔ گویا ابھی انسپکٹر مہربان اور گھر کے دوسرے افراد کو گئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔

انھوں نے ایک ایک چیز کا جائزہ لینا شروع کیا۔ مکان تین کمروں پر مشتمل تھا، ایک باورچی خانہ بھی تھا۔ ڈرائنگ روم میں انہیں گرد میں بنے قدموں کے نشانات نظر آئے۔

"خبردار۔ یہ نشانات ضائع نہ ہونے پائیں۔ محمود۔ تم اکرام کو فون کر دو۔ وہ ماہرین کو لے کر یہاں پہنچ جائے۔ میں چاہتا ہوں، ان نشانات کی تصویریں لے لی جائیں۔"

"جی بہتر۔"

برآمدے میں انہیں فون رکھا نظر آیا تھا، لہٰذا محمود نے اکرام کو

فون کر دیا۔ ادھر ڈرائنگ روم کا معائنہ جاری تھا۔ فرزانہ کہہ رہی تھی:

"میرے ذہن میں یہ بات چبھ رہی ہے کہ انسپکٹر مہربان نے ملازمت کیوں چھوڑ دی اور اس شہر سے بھی کیوں چلا گیا۔"

"مجرموں نے خوف زدہ کر دیا ہوگا۔ اس بار کے مجرم کوئی عام مجرم نہیں ہیں۔" فاروق نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا۔ خاص قسم کے مجرم ہیں۔" محمود نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اگر وہ خاص قسم کے مجرم ہیں تو ہم بھی خاص قسم کے جاسوس ہیں۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"اپنے منہ میاں مٹھو بننا تو کوئی تم سے سیکھے۔" فرزانہ بھنا اٹھی۔

"سکھا دوں گا تمہیں بھی۔ فکر کی کیا بات ہے۔"

"اچھا بس۔ اپنی بحث کا دروازہ یہیں بند کر دو۔ میں ڈرائنگ روم میں پڑی ایک چیز دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا چیز دیکھ رہے ہو، اکیلے اکیلے ہی دیکھتے رہو گے یا ہمیں بھی دکھاؤ گے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"میں چاہتا ہوں۔ اسے اٹھانے سے پہلے اس پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھا لیے جائیں۔" محمود نے کہا۔

"بہت بہتر، ایسا ہی ہوگا۔ ہم اسے نہیں چھوئیں گے۔ ہاں تو

کیا چیز ہے وہ۔"

"ردی کی ٹوکری۔"

"کیا کہا۔ ردی کی ٹوکری۔ ارے باپ رے۔" فاروق نے محمود کو جملہ بھی مکمل نہ کرنے دیا۔

"اس میں بوکھلانے کی کیا ضرورت۔ میں نے ردی کی ٹوکری کہا ہے۔ جادو کا سانپ تو نہیں کہا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تت۔ تم نہیں جانتے محمود۔ کچھ لوگ ردی کی ٹوکری سے کس طرح ڈرتے ہیں۔ خاص طور پر مصنفوں اور ایڈیٹروں کی ردی کی ٹوکریوں سے۔"

"اوہو۔ کیا فضول بات لے بیٹھے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ردی کی ٹوکری میں سگریٹ کا ایک خالی پیکٹ پڑا ہے۔"

"تو پھر اس میں کیا خاص بات ہے۔ انسپکٹر مہربان سگریٹ پینے کے عادی ہوں گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ہاں، شاید۔ لیکن اس میں جو پیکٹ موجود ہے۔ وہ بہت قیمتی سگریٹوں کا ہے۔ ایک انسپکٹر اتنے مہنگے سگریٹ نہیں پی سکتا۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"ہو سکتا ہے۔ انسپکٹر مہربان رشوت لینے کے عادی رہے ہوں اور رشوت کی کمائی سے اتنے مہنگے سگریٹ پیتے ہوں۔"

"ہاں۔ خیر۔ یہ بھی ممکن ہے۔"

اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ محمود نے دروازہ کھولا۔ اکرام اور دوسرے ماتحت اندر آ گئے۔

"پہلے تو آپ قدموں کے ان نشانات کی تصاویر لے لیں۔ پھر ردّی کی ٹوکری میں پڑے سگریٹ کے پیکٹ پر سے اُنگلیوں کے نشانات اُٹھالیں۔"

"او کے سر!" اُنھوں نے کہا اور کام میں مصروف ہو گئے۔

"آخر یہ کیا معاملہ ہے سر؟" اکرام نے ان کے نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔

"ابھی کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کوئی نہ کوئی معاملہ ہے ضرور، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ معاملہ ہے اہم۔"

"ارے! اس ٹوکری میں تو ایک اور پیکٹ بھی ہے۔ مختلف پیکٹ۔" ایک ماہر کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔

وہ تیزی سے ٹوکری کی طرف مڑے۔

ضروری کام

اُنھوں نے دیکھا، ردّی کی ٹوکری میں ایک دُوسرا پیکٹ اب صاف نظر آرہا تھا۔ یہ عام قسم کے سگریٹ کا پیکٹ تھا۔

"ایک پیکٹ قیمتی سگریٹ کا، دُوسرا نہایت سستے سگریٹ کا۔ یہ کیا بات ہوئی۔" محمود نے سوچ میں گم ہوتے ہوئے کہا۔

"پسند اپنی اپنی۔" فارُوق بولا۔

"گویا اس گھر میں کم از کم دو سگریٹ پینے والے رہتے تھے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھہرو۔ پہلے ہمیں یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ انسپکٹر مہربان علی کے گھر کے افراد کتنے تھے۔ ان میں سے سگریٹ پینے والے کتنے تھے۔" اُنھوں نے کہا اور پھر فوراً ہی انسپکٹر گوگل کے نمبر ملائے۔

"ہیلو۔ مسٹر گوگل۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ۔ انسپکٹر مہربان کے گھر کے کُل کتنے افراد تھے؟"

"جی ہاں۔ کیوں نہیں۔ میرا ان کے گھر کبھی کبھار کا آنا جانا تھا۔

ہم ہلکے پھلکے دوست تھے۔ انسپکٹر مہربان اپنی بیوی اور دو چھوٹے بچوں کے ساتھ اس گھر میں رہتے رہے ہیں۔ کیوں۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟" اس نے کہا۔

"اور کیا انسپکٹر مہربان سگریٹ پینے کے عادی ہیں؟"

"جی ہاں۔ بالکل۔ بے تحاشہ سگریٹ پینے کے عادی ہیں۔"

"بہت خوب۔ تب تو آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں، وہ کون سی برانڈ کے سگریٹ پیتے ہیں۔"

"گولڈن سٹار کے۔ بہت سستے سگریٹ ہوتے ہیں، میں نے اس سے کئی بار کہا کہ یہ بے کار قسم کے سگریٹ نہ پیا کرے۔ ان سے کینسر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس نے کبھی میری بات نہیں مانی۔"

"مسٹر گوگل۔ آپ کی اطلاعات کے لیے عرض کیے دیتا ہوں کہ کینسر صرف سستے سگریٹوں سے ہی نہیں، اچھے سگریٹوں سے بھی ہو جاتا ہے۔ ویسے آپ خود کون سے سگریٹ پیتے ہیں؟"

"مم۔ میں۔ میں تو خیر پیتا ہی نہیں۔"

"آپ انسپکٹر مہربان کے کچھ دوستوں کے نام اور پتے بتا سکتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ اس نے اپنے دوستوں کا کبھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔"

"اچھا یہ تو بتا ہی سکتے ہیں کہ انسپکٹر مہربان اس وقت کہاں ہیں۔ کون سے شہر میں ہیں؟"

"افسوس! میں کچھ بتانے کے قابل نہیں۔ جاتے وقت وہ بتا

کر بھی نہیں گئے۔"

"اور جہاں گئے۔ وہاں سے بھی کوئی خط وغیرہ نہیں لکھا؟"

"نہیں۔ یہ بات میرے لیے اور بھی اُلجھن کی ہے۔" انسپکٹر گوگل نے کہا۔

"اب ہم انہیں کہاں ڈھونڈیں۔" انسپکٹر جمشید مایوسانہ لہجے میں بولے۔

"بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوں یہ بھی ٹھیک ہے، اچھا خیر۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر انسپکٹر جمشید فون کی طرف لپکے۔ انہیں حیرت اس بات پر ہوئی تھی کہ انسپکٹر مہربان کو کس نے فون کر ڈالا، کیونکہ وہ تو اب اس گھر میں رہتا ہی نہیں تھا۔ ہاں۔ یہ بات ہو سکتی تھی کہ کافی عرصہ پہلے کے کسی ملاقاتی نے فون کیا ہو۔ جونہی انھوں نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا، دوسری طرف سے ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی:

"ہیلو جمشید۔ نثار احمد بول رہا ہوں۔" آواز آئی جی صاحب کی تھی۔

"فرمائیے۔ کیا حکم ہے؟"

"اکرام کے رجسٹر سے معلوم ہوا کہ تم یہاں موجود ہو، اس طرح فون کرنے کے قابل ہو سکا۔ تمہیں فوری طور پر اصغر ریسانی نے اپنی

کوٹھی پر بلایا ہے۔"

"اصغر ریسانی ۔ آپ کا مطلب وزیرِ داخلہ کے سیکرٹری صاحب سے ہے۔" اُنھوں نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! وُہ کسی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں ۔ میں اسی وقت ان کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔"

"شکریہ جمشید ۔ میں یہی چاہتا تھا۔" انھوں نے کہا ۔ اور ریسیور رکھ دیا۔

"لو بھئی ۔ مجھے تو ذرا اصغر ریسانی صاحب کے گھر جانا پڑ گیا ہے ۔ تم لوگ یہاں ٹھہرو ۔ انھیں کوئی اُلجھن آ پڑی ہے۔"

"تو کیا آپ فارغ ہو کر یہاں واپس آئیں گے ۔ جب کہ یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔"

"اوہ اچھا ۔ تو پھر تم گھر پہنچو۔" وُہ بولے۔

"لیکن ابّا جان ۔ ہم ساتھ ہی کیوں نہ چلیں۔"

"میں نہیں چاہتا ۔ تم اپنے ذہنوں کو ریسانی صاحب والے معاملے میں بھی الجھاؤ ۔ اس طرح کھچڑی سی پک جائے گی۔"

"یہ کون سی نئی بات ہے ابّا جان ، ہمارے ذہنوں میں تو روز ہی کھچڑی سی پکتی رہتی ہے۔" فارُوق مسکرایا۔

"خیر یونہی سہی ۔ تم بھی ساتھ چلے چلو۔" آخر تنگ آ کر اُنھوں نے اجازت دے دی۔

"فاروق ۔ تم انسپکٹر مہربان کا دروازہ کھلنے سے پہلے کوئی بات کہنے کی اجازت مانگ رہے تھے ابّا جان سے ، پھر شاید تمھارے ذہن سے نکل ہی گئی۔" اچانک فرزانہ نے اسے یاد کرایا۔

"اوہ ہاں! واقعی ۔ میں تو بھول ہی گیا ۔ ہاں تو ابّا جان میں آپ سے یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آپ بات کو گول کرنے میں بہت ماہر ہیں۔"

"گول کرنے میں ماہر ۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"اب دیکھیے نا ۔ کتنی دیر ہو گئی ۔ ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ سوکھے خان کی فائل کیوں منگائی تھی۔"

"اوہ ہاں ۔ لیکن شاید اس میں میرا کوئی قصور نہیں ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے یہ بات جان بوجھ کر گول نہیں کی ، بس یونہی گول ہوتی چلی گئی ۔ خیر فکر نہ کرو ۔ اب میں اس بات کو چوکور کر کے چھوڑوں گا۔" انھوں نے شوخ آواز میں کہا۔

"جی کیا فرمایا ۔ چوکور کر کے چھوڑیں گے ۔ یہ ۔ یہ جملہ آپ نے کہا ابّا جان۔" فارُوق بوکھلا اُٹھا۔

"ہاں کیوں ۔ کیا میں یہ جملہ نہیں کہہ سکتا۔"

"مم مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے یہ جملہ آپ نے نہیں ، میں نے کہا تھا ۔ کہیں ۔ مم ۔ میری رُوح ۔ آپ میں تو ۔ ارے باپ رے۔" فارُوق نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے جملہ ادھورا

چھوڑ دیا اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

اب وہ جیپ میں بیٹھے اصغر رئیسانی کی طرف جا رہے تھے:

"خدا جانے۔ رئیسانی صاحب کو کیا پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اور کیا اب آپ بیک وقت دو کیسوں پر کام کریں گے؟" محمود نے کہا۔

"ابھی کیا پتا۔ کیا اُلجھن ہے۔" وہ بولے۔

"لیجیے۔ فاروق کی بات ہی درست ہے۔ آپ بات پھر گول کیے جا رہے ہیں۔"

"ہاں۔ سنو۔ دو روز پہلے اس جواری کا بھائی میرے پاس آیا تھا۔ جو سوکھے خان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس کا بھائی ایک فلمی اداکار ہے۔ بھائی کے گھر اس کا بھی اکثر آنا جانا رہتا ہے اور شاید وہ بھی ان کے ساتھ جوا کھیلتا رہا ہے۔ اس نے آکر مجھے پہلے تو سوکھے خان کے کیس کی ساری تفصیلات سنائیں اور پھر یہ خبر سنائی کہ اس نے ہوٹل کے کھانے کے ہال میں سوکھے خان کو کھانا کھاتے دیکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر رُک گئے۔

"جی کیا مطلب۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یعنی قتل کا ایک مجرم جو جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا تھا۔ اسے اس نے ایک ہوٹل میں کھانا کھاتے دیکھا۔" محمود حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں! اس کا کہنا ہے کہ وہ سوکھے خان کو بہت اچھی طرح پہچانتا ہے۔ ہوٹل کے ہال میں اگرچہ سوکھے خان میک اپ میں تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے اسے پہچان لیا۔ اس کی چند خاص عادات کی وجہ سے بھی اسے پہچاننے میں آسانی ہوئی۔ مثلاً یہ کہ وہ کھانا کھاتے وقت دائیں کان کو بار بار جھٹکتا رہتا ہے، یہ اس کی ایک بہت ہی خاص عادت ہے اور میک اَپ میں ہوتے ہوئے بھی وہ اس عادت سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکا۔ لہذا جب اس نے اسے کان زور زور سے جھٹکتے دیکھا تو اسے بغور دیکھنے لگا۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ دائیں ٹانگ کو بار بار ہلانے لگتا ہے۔ یہ بھی سوکھے خان کی خاص عادت ہے۔ لہذا اسے یقین ہو گیا کہ یہ سوکھے خان ہی ہے۔ اس کے جانے کے بعد وہ بھی ہال سے نکل کر گھر چلا گیا اور پھر دُوسری صبح مجھے آکر یہ ساری بات بتائی۔ مجھے اس معاملے میں ذرا دلچسپی محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں نے فوراً اکرام کو بھیجا اور انسپکٹر گوگل سے سوکھے خان کی فائل منگوا لی۔ بعد کے حالات تو تم لوگوں کو معلوم ہی ہیں۔ فائل دیکھنے کا پروگرام میں نے دوسرے روز پر رکھا۔ یعنی آج۔ لیکن فائل نہایت ہوشیاری سے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت اڑا لی گئی۔ نہ صرف میرے دفتر سے بلکہ جیل والی فائل بھی نہیں چھوڑی گئی۔ یہی نہیں۔ سوکھے خان بھی جیل سے فرار ہو گیا۔ یا اس کے فرار ہونے کے آثار پیدا کر دیے گئے۔"

انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"جی کیا فرمایا۔ آثار پیدا کر دیے گئے۔"

"ہاں۔ ہو سکتا ہے، اگر مقتول کے بھائی کا بیان درست ہے
پھر تو سوکھے خان جیل میں تھا ہی نہیں۔ لہذا اس کی کوٹھڑی کا
کھول دیا گیا۔"

"لگ۔ کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سارا چکر سپرنٹنڈنٹ جیل صاح
چلا رہے ہیں؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرے پاس ان کے خلاف کو
ثبوت نہیں۔ ابھی ہمیں کچھ کام کرنا پڑے گا۔ تب کہیں جا کر ہم ا
معاملے کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"اور ابھی ہمیں جیل میں بھی تحقیقات کرنا ہو گی۔ آخر سوکھے خ
کس کی مدد سے فرار ہوا۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں۔ بالکل۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ابا جان۔ آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ شہر میں سوکھے
خان کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جائیں۔ اگر ہم اسے گرفت
کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو گویا سارا کیس ہی حل ہو جاتا ہ

"ہاں! ہم اس پہلو پر بھی کوشش کریں گے۔ ذرا ریئسانی صاح
سے ملاقات کر لیں، پھر اکرام کے ذمے یہ کام بھی لگاتے ہیں۔"

"تو پھر ریئسانی صاحب کے ہاں تو ہم پہنچ گئے۔" محمود بولا۔

انسپکٹر جمشید نے جیپ کو بریک لگائے، محمود نے نیچے اترتے
ہی گھنٹی بجائی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور ملازم کا چہرہ دکھائی دیا:

"صاحب آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔"

"چلیے۔ ہم آ گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ ریئسانی صاحب یہاں
پہلے سے موجود تھے۔ وہ ایک لمبے قد کے اور بھرے بھرے جسم
کے مالک تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے:

"خدا کا شکر ہے جمشید۔ تمہاری صورت دکھائی دی۔ مم۔ میں بہت
پریشان ہوں۔"

"آخر ایسی کیا بات ہو گئی؟"

"یہ دیکھو۔ مجھے یہ خط موصول ہوا ہے۔ ایک دھمکی آمیز خط۔"
یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے خط نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا،
انھوں نے خط کو کھولا اور بلند آواز سے پڑھنے لگے۔ تاکہ محمود،
فاروق اور فرزانہ بھی سن سکیں:

"مسٹر اصغر ریئسانی!

ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہاری موت کا وقت آ چکا ہے۔ اب
میں تمہیں اور جینے کی مہلت نہیں دوں گا۔ میرا نام
پڑھ کر تم جان ہی جاؤ گے کہ میں ایسا کیوں کرنا چاہتا
ہوں۔ اب تم جتنے جی چاہو، حفاظتی انتظامات کر لو۔

میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

سوکھے خان۔"

سوکھے خان کا نام پڑھ کر وہ چونک اٹھے۔ ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں۔

○

"ہم سمجھ گئے جناب، یہ اس سوکھے خان کا خط ہے۔ جو جیل سے فرار ہو چکا ہے۔ اور جو جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا تھا، جس نے ایک جواری کو ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اسے آپ سے کیا دشمنی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں جلدی جلدی کہا۔

"اس نے وزیرِ داخلہ صاحب کے نام رحم کی درخواست بھیجی تھی، یہ درخواست میرے ذریعے دی گئی۔ میں نے اس کی درخواست آگے بھجوا دی تھی، لیکن نامنظور ہو گئی۔ تو اس میں میرا کیا قصور۔ لیکن اب سوکھے خان کا کہنا یہ ہے کہ میں نے ذاتی طور پر اس سلسلے میں کوئی کوشش نہیں کی۔ جب کہ میں کوشش کر سکتا تھا اور رحم کی درخواست منظور کرا سکتا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ وزیر صاحب کو درخواست دیتے وقت اس نے ایک درخواست ذاتی طور پر مجھے

بھی بھجوائی تھی۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ اگر میں چاہوں تو وزیر صاحب سے رحم کی درخواست ضرور منظور کرا سکتا ہوں، کیونکہ میرے اور ان کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔"

"تو پھر۔ کیا آپ نے ایسی کوشش کی۔"

"ہاں۔ بالکل کی تھی، لیکن وزیر صاحب نہیں مانے۔ اب میں ان پر دباؤ تو ڈال نہیں سکتا تھا۔ وہ ضرور یہ پوچھتے کہ آخر میں سوکھے خان قاتل کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہوں۔ لیکن سوکھے خان کا یہ خیال ہے کہ میں نے سرے سے کوئی کوشش کی ہی نہیں، لہٰذا وہ انتقام لینے پر اتر آیا ہے۔ میں نے جیل سپرنٹنڈنٹ اور پولیس حکام سے بھی جواب طلب کیا ہے کہ آخر سوکھے خان کس طرح فرار ہو گیا۔ اس کے فرار ہونے میں جس سے بھی کوتاہی ہوئی ہے۔ اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اسے بھی ہم خود ہی تلاش کر لیں گے۔ اور سوکھے خان کو بھی۔ فی الحال آپ کی حفاظت کے لیے یہاں سادہ لباس والے مقرر کر دیے جائیں گے۔ اور میری کوشش یہ ہو گی کہ جلد از جلد سوکھے خان کو گرفتار کر لیا جائے۔"

"بس۔ میں یہی چاہتا ہوں۔" انھوں نے مطمئن ہو کر کہا۔

"ہم پہلے ہی اس کیس میں الجھے ہوئے ہیں اور اب تک کافی کام کر چکے ہیں۔ تھوڑا سا کام باقی ہے۔ پھر سوکھے خان دوبارہ جیل

کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا ۔ اور آپ فکر نہ کریں ، اس کے بعد وُہ ہرگز فرار نہیں ہو سکے گا ۔"

" بہت خوب ۔ یہ ہوئی نا بات ۔" وہ خوش ہو کر بولے ۔

" تو پھر اب ہمیں اجازت دیں ۔ یہ خط میرے پاس رہنے دیں اور ہاں ۔ رحم کے لیے اس نے جو درخواست آپ کو بھیجی تھی ۔ وہ آپ کے پاس ہو گی یا نہیں ۔"

" فائل میں ضرور ہو گی ۔ نکلوا کر بھجوا دوں گا ۔ لیکن وُہ ٹائپ شدہ ہے ۔ میرا مطلب ہے ۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے ۔"

" دستخط تو اس کے ہوں گے ہی ۔"

" ہاں ! یہ تو ہے ۔"

" بس تو پھر ۔ آپ وُہ بھجوا دیجیے گا ۔"

انھوں نے ان سے ہاتھ ملائے اور رُخصت ہوئے :

" خدا کا شکر ہے کہ رئیسانی صاحب کو کوئی دوسرا معاملہ پیش نہیں ہے ۔ ورنہ اس وقت ہمیں دو دو معاملات سُلجھانے پڑتے ۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا ۔

" اس صورت میں میں نے سوچا تھا کہ سوکھے خان والا معاملہ مکمل طور پر تم لوگوں کے سپرد کر دوں گا اور خود رئیسانی صاحب کے معاملے سے نبٹتا رہوں گا ۔"

" اوہ ہاں ! یہ بھی ٹھیک رہتا ۔ خیر اب تو بات ہی اور نکل آئی ہے ،

لہٰذا اب کیا پروگرام ہے ؟"

" اباجان ۔ میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے ۔" فرزانہ بول اُٹھی ۔

" لیجیے ۔ بھولی بھٹکی ترکیب آ ہی گئی فرزانہ کے ذہن میں ۔" فارُوق نے منہ بنایا ۔

" ہاں تو فرزانہ ۔ کیا ہے تمھاری ترکیب ؟"

" بے شک مجرم نے فائل اڑا لی ۔ جیل کا ریکارڈ بھی اڑا لیا ۔ لیکن وُہ کیس چلنے کے دوران کے اخبارات تو غائب نہیں کر سکتا ۔ ہم ان اخبارات میں اس کیس کی تفصیلات پڑھ سکتے ہیں ۔"

" لیکن اخبارات میں اُنگلیوں کے نشانات نہیں ملیں گے ۔ جب کہ ہمیں اس وقت سوکھے خان کی اُنگلیوں کے نشانات کی ضرورت ہے ۔ خیر ۔ بہرحال ۔ فرزانہ کی ترکیب اس لحاظ سے اچھی ہے کہ ہمیں تمام تر معلومات تو حاصل ہو ہی جائیں گی ۔ لہٰذا ہم اب فوری طور پر گھر چلیں گے اور اخبارات میں گم ہو جائیں گے ۔" فارُوق نے جلدی جلدی کہا ۔

اور وُہ مسکرانے لگے ۔ بیگم جمشید نے دروازہ کھولتے ہی بُرا سا منہ بنایا :

" تو آپ لوگ آ گئے ۔ میں نے اس وقت تک صرف تین بار کھانا اور دو بار چائے گرم کی ہے ۔"

" اوہ ۔ ارے باپ رے ۔ بلکہ دھت تیرے کی ۔" فارُوق نے بوکھلا کر کہا اور محمود نے اس پر کھا جانے والی نظر ڈالی ۔

لیکن انسپکٹر جمشید تو اندر کی طرف تیز تیز قدم اُٹھا چکے تھے ۔

لہذا وہ بھی ان کے پیچھے لپکے۔ انہیں لائبریری میں داخل ہوتے دیکھ کر بیگم جمشید چلائیں :

" ارے ارے۔ تو کیا کتابوں اور اخبارات کا کھانا کھایا جائے گا۔"

" ابھی آتے ہیں بیگم۔ ایک بہت ضروری کام ہے۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

" جی ہاں امّی جان۔ ضروری کام یہ ہے کہ ہمیں ذرا اخبارات میں گم ہونا ہے۔" فاروق پکار اُٹھا۔

" اف توبہ۔" بیگم جمشید تلملا اٹھیں۔

اور انھوں نے مُسکراتے ہوئے دروازہ بند کر لیا۔ اب وُہ ان دنوں کے اخبارات الگ کر رہے تھے۔ جب عدالت میں یہ کیس لگا ہوا تھا —

شاندار اندازہ

اخبارات کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی معلومات میں ذرا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ واقعات صرف اتنے ہی تھے کہ سوکھے خان ایک مکان میں جوا کھیلا کرتا تھا۔ وہاں کچھ جواری جوا کھیلنے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ ایک دن ایک جواری سے اس کا جھگڑا ہو گیا، جھگڑا اس قدر بڑھا کہ وہ ایک دوسرے کو مارنے پر تُل گئے اور پھر وُہ شخص سوکھے خان کے ہاتھوں مارا گیا۔ سوکھے خان فرار ہو گیا، لیکن بعد میں پولیس نے اسے گرفتار کر لیا، اس پر مقدمہ چلا اور عُمر قید کی سزا سُنا دی گئی۔ اخبارات میں صرف اتنی کہانی تھی — ثبوت مکمل طور پر سوکھے خان کے خلاف تھے، لہذا یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ اسے بے گناہ پھانسا گیا ہے —

یہ معاملہ دوبارہ اس وقت شروع ہوا جب مقتول کے بھائی نے سوکھے خان کو ایک ہوٹل میں دیکھا؛ اگرچہ وہ میک اپ میں تھا، لیکن اس نے میک اپ کے باوجود اسے پہچان لیا۔ اور وُہ ان کے

پاس چلا آیا، اُنھوں نے سوکھے خان کی فائل منگوالی ۔ فائل کا منگوانا
تھا کہ کام شروع ہو گیا :

" اباجان ! اخبارات ہماری کچھ مدد نہیں کر سکے ، لیکن ایک شخص
ایسا ہے جو ہماری مدد کر سکتا ہے اور ہم اس وقت تک اسے نظر انداز
کرتے رہے ہیں ۔" فرزانہ نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا ۔

" میں جانتا ہوں ، تمہارا اشارہ مقتول کے بھائی کی طرف ہے ۔"

" اور ابھی تک ہم نے اس مکان کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی ،
جس میں جُوا ہوتا تھا ۔ مقتول کا بھائی بھی تو وہیں رہتا تھا ، پھر
اسے کیوں گرفتار نہیں کیا گیا ۔"

" وُہ وہاں نہیں رہتا ۔ اس کا گھر الگ ہے ۔ البتہ وہ بھائی کی جوئے
کی عادت سے بہت پریشان تھا اور اکثر اسے سمجھانے کے لیے وہاں
جایا کرتا تھا ۔ جس روز یہ واقعہ ہوا ، اس روز بھی وہ وہاں موجود
تھا ۔"

" گویا اس کے بھائی کو اس کے سامنے ہلاک کیا گیا اور وہ چُپ
رہا ، اس نے بھائی کی ذرا بھی مدد نہیں کی ۔" محمود بولا ۔

" یہ بات میں اس سے نہیں پوچھ سکا ۔ اس وقت اتنی تفصیل میں
تو ہم گئے ہی نہیں تھے ۔ خیر چلو ۔ تم بھی کیا یاد کرو گے ، اس
سے بھی مل آتے ہیں ۔"

وہ لائبریری سے باہر نکلے ، بیگم جمشید چہک کر بولیں :

" شکر ہے اللہ کا ۔ آپ لوگ جلد ہی لائبریری سے نکل آئے ، ورنہ
میں تو سوچ رہی تھی ، اب آپ لوگ صبح سے پہلے باہر سے نہیں
نکلیں گے ۔ اور ہاں ! میں نے ابھی ابھی چوتھی مرتبہ کھانا گرم کیا ہے ۔"

" ہوں ۔ ٹھیک ہے ۔ اسے ذرا گرم ہی رہنے دو ، ہم ابھی آتے
ہیں ۔"

" جی کیا مطلب ۔ یعنی ۔ کہ آپ پھر جا رہے ہیں ۔ اچھا تو پھر آتے
ہوئے چھ سات ، ہاٹ پاٹ لیتے آئیے گا ۔" بیگم جمشید نے تلملائے
ہوئے لہجے میں کہا ۔

" ہاٹ پاٹ ۔ کیا مطلب ؟"

" آپ کو ہاٹ پاٹ کا مطلب بھی معلوم نہیں ۔" انھوں نے حیران
ہو کر کہا ۔

" ہاٹ پاٹ کا مطلب گرم برتن بھی ہو سکتا ہے ۔" وہ بولے ۔

" آج کل ایسے برتن بنا لیے گئے ہیں جن میں اگر کھانا رکھ دیا جائے
تو گھنٹوں گرم رہتا ہے ۔ لہٰذا ہمارے گھر میں ایسے برتنوں کی شدید
ضرورت ہے ۔ میں بار بار کھانا گرم کرنے کی مصیبت سے نجات حاصل
کر لوں گی ، آپ کا بھی جب جی چاہے ، آ کر کھا لیا کیجیے گا ، کیونکہ
جاسوسی اور آپ کا ساتھ تو مجھے زندگی کے آخری لمحات تک ختم ہوتا
نظر نہیں آتا ۔"

" یہ اندازہ تو واقعی بہت شاندار لگایا امی جان آپ نے ۔" فاروق

شوخ لہجے میں بولا۔

وہ بُرے بُرے مُنہ بناتی رہ گئیں۔ اور یہ باہر نکل آئے۔

" اس نے مجھے ایک کاغذ پر اپنا پتا لکھ کر دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور کاغذ کو جیب میں ٹٹولنے لگے۔ آخر کاغذ مل گیا۔ انھوں نے پتے پر ایک نظر ڈالی اور جیپ آگے بڑھا دی۔

پندرہ منٹ بعد محمود ایک دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ جلد ہی ایک نوجوان آدمی کی صورت دکھائی دی۔ جونہی اس کی نظر انسپکٹر جمشید پر پڑی۔ وہ چونک اُٹھا:

" ارے۔ یہ آپ ہیں۔ آپ نے کیسے تکلیف کی۔ مجھے بلا لیا ہوتا۔ آئیے۔ تشریف لائیے۔"

وہ انھیں ایک کمرے میں لے آیا۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

" ہم اس کیس پر کام شروع کر چکے ہیں۔ اور بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

" یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ کیا اب تک آپ نے کوئی خاص بات معلوم کی؟"

" ہاں کئی ایک۔ آپ سے یہی کچھ مدد ملنے کی امید تھی۔ ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ آپ نے سوکھے خان کو میک اپ میں ہونے کے باوجود کس طرح پہچان لیا؟"

" میں ایک فلمی اداکار ہوں۔ ہم لوگ عام طور پر میک اپ میں ہی رہتے ہیں، لہٰذا میک اپ میں کسی کو پہچاننا ہمارے لیے مشکل نہیں ہوتا۔" اس نے جواب دیا۔

" گویا آپ اپنے بھائی کے گھر میں اکثر آتے جاتے رہتے تھے اور سوکھے خان کو وہاں جُوا کھیلتے دیکھتے تھے۔"

" جی ہاں، یہی بات ہے۔" اس نے کہا۔

" تب پھر۔ نعیم صاحب آپ بھی جوا کھیلتے ہوں گے؟"

" ج۔ جی نہیں۔ میں تو انھیں روکتا رہتا تھا، لیکن انھوں نے کبھی میری بات نہیں سُنی۔"

" ہوں! کیا آپ کے بھائی کے بیوی بچے بھی ہیں؟"

" ہاں!" اس نے کہا۔

" اور وہ اس مکان میں رہتے ہیں؟"

" اور کہاں رہیں گے۔"

" کیا پولیس نے مکان کو سیل نہیں کیا تھا؟"

" صرف اس کمرے کو سیل کیا تھا۔ مقدمے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد سیل توڑ دی گئی۔"

" ہم اس مکان کے اس کمرے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس میں جوا ہوتا تھا۔ اور جس میں واردات ہوئی۔"

" جی بہتر۔ کیا اسی وقت دیکھیں گے۔"

" تو اور کیا۔ ہم جو کام بھی کرتے ہیں، اسی وقت کرتے ہیں۔"
فاروق نے منہ بنایا۔

" تو پھر چلیے۔"

انھوں نے اسے بھی جیپ میں بٹھا لیا اور روانہ ہوئے۔ دوسرا گھر زیادہ دُور نہیں تھا۔ نعیم نے دروازے پر دستک دی تو ایک دس بارہ سالہ لڑکی نے دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھوں سے اُداسی جھانک رہی تھی:

" تایا جان۔ السلام علیکم۔" وہ بولی۔

" جیتی رہو گڑیا۔ امّی سے کہو، پردہ کرلیں۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ ہیں۔ انھیں مکان اندر سے دکھانا ہے۔"

" جی بہتر۔" اس نے کہا اور اندر چلی گئی۔ جلد ہی واپس آئی اور بولی:

" آجائیے۔"

نعیم انھیں لیے ایک کمرے میں داخل ہوا:

" یہ ہے جوئے کا کمرہ۔ کمرے کے درمیان میں میز بچھی ہوئی تھی اور کھیلنے والے چاروں طرف بیٹھتے تھے۔" یہ کہتے وقت اس نے جیب سے سگریٹ کا ایک پیکٹ نکالا اور سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ انسپکٹر جمشید نے ایک نظر اس پر ڈالی اور بولے:

" کیا آپ کے بھائی بھی سگریٹ پیتے تھے؟"

" جی ہاں۔ بالکل۔"

" اور سوکھے خان بھی۔"

" سوکھے خان تو سگریٹ کا بہت زیادہ عادی تھا۔"

" کیا وہ بہت قیمتی سگریٹ پیتا تھا؟"

" نہیں تو۔ سستے قسم کے پیتا تھا۔"

" آپ کے بھائی اور سوکھے خان کے درمیان لڑائی آپ کے سامنے ہوئی تھی؟"

" میں اس وقت اندرونی کمرے میں تھا، جھگڑے کی آوازیں سُن کر اس کمرے میں داخل ہوا، لیکن عین اس وقت سوکھے خان خنجر میرے بھائی کے دل میں اُتار چکا تھا۔ اور خنجر کو دل میں ہی چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ ہم اس کے پیچھے بھاگے، لیکن وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔"

" ہوں! خیر۔ اس کمرے سے کوئی اور خاص چیز تو نہیں ملی تھی؟"

" جی نہیں۔ بس پولیس کو وہ خنجر ملا تھا اور اس پر سوکھے خان کی اُنگلیوں کے نشانات موجود تھے۔"

" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اس گھر میں جوا کس طرح کھیل لیا جاتا تھا، کیا پولیس نے کبھی چھاپہ نہیں مارا۔" محمود بولا۔

" صرف ایک بار ایسا ہوا تھا، کسی پڑوسی نے پولیس کو فون کر دیا تھا اور وہ سب جواریوں کو پکڑ لے گئی تھی، لیکن حیرت انگیز ترین

بات یہ ہے کہ جلد ہی وہ سب واپس آ گئے۔ میں آج تک حیران ہوں کہ پولیس نے ان کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی تھی۔"

"اوہ! انسپکٹر گوگل نے ہمیں یہ بات نہیں بتائی۔ حالانکہ چھاپہ اسی نے مارا ہوگا۔ آؤ بھئی چلیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

وہ باہر نکل آئے۔ انسپکٹر جمشید کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے:

"خیر تو ہے ابا جان۔ کیا آپ کو کوئی خاص بات معلوم ہو گئی ہے؟"

"کیا یہ خاص بات نہیں کہ انسپکٹر گوگل نے چھاپے والی بات، ہمیں نہیں بتائی۔"

"ہو سکتا ہے، اسے خیال نہ رہا ہو۔ یوں بھی یہ اس واردات سے پہلے کا واقعہ ہے۔"

"پھر بھی یہ عجیب سا لگتا ہے اور اس سے بھی عجیب یہ کہ ان لوگوں کو گرفتار تو کیا گیا، لیکن پھر چھوڑ دیا گیا۔ اس سے تم کیا نتیجہ نکال سکتے ہو۔"

"یہ کہ انسپکٹر صاحب کو لمبی رشوت پیش کی گئی۔ اور انھوں نے رشوت سے اپنی جیبیں بھر کر ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔"

"اس صورت میں تو وہ پھر چھاپہ مار سکتا تھا۔ تاکہ پھر رشوت حاصل کر سکے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، پھر کبھی چھاپہ نہیں مارا آخر کیوں؟"

"تب پھر وہ سوکھے خان کے رعب میں آ گئے ہوں گے۔" فرزانہ

نے خیال ظاہر کیا۔

"بس یہی سوال، ہم ان سے پوچھنے جا رہے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر گوگل نے انھیں حیرت بھرے انداز میں دیکھا۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔ آپ لوگ پھر آ گئے، شاید آپ نے آرام کرنا نہیں سیکھا:

"معاف کیجیے گا جناب۔ آپ کو پھر زحمت دے رہے ہیں۔"

"لگ کوئی بات نہیں۔ کہیے۔ کوئی کامیاب ہوئی۔"

"ہاں! امید تو یہی ہے کہ بہت جلد ہم اس معاملے کو بے نقاب کر دیں گے۔ آپ سے صرف یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ ایک بار آپ نے مقتول کے مکان پر چھاپہ مار کر جوئے بازوں کو گرفتار کیا تھا — یہ بات ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے۔" اس کے چہرے کا رنگ یک لخت اڑ گیا — آواز میں کپکپی کی لہر دوڑ گئی۔

"تب پھر۔ آپ نے ان کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی تھی، انہیں عدالت میں کیوں پیش نہیں کیا تھا۔"

"جی بس۔ کیا عرض کروں۔ مجبوری پیش آ گئی تھی۔" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

"مجبوری پیش آ گئی تھی۔ کیا مطلب۔" فاروق چونک کر بولا۔

"اس مجبوری کی وجہ سے میں ان پر مقدمہ نہ چلوا سکا۔ اور انھیں

چھوڑنا پڑا۔"

"آخر کیوں۔ کیسی مجبوری۔"

"میں۔ نہیں بتا سکتا۔" اس نے جھک کر کہا۔

"کیا کہا۔ نہیں بتا سکتے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں نے کہا نا۔ میں نہیں بتا سکتا۔"

"آپ کو یہ بات بتانا ہو گی۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔"

"کیوں نہیں کر سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید تقریباً چیخ اُٹھے۔

"اس بات کو جانے دیں۔ کوئی فائدہ نہیں۔"

"فائدے اور نقصان کی بات نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا، پھر انھوں نے میز پر رکھے فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔ انسپکٹر گوگل کے چہرے پر الجھن کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ اسی وقت سلسلہ مل گیا:

"ہیلو سر! انسپکٹر جمشید عرض کر رہا ہوں۔ اس وقت آپ کے انسپکٹر گوگل کے تھانے میں ان کے سامنے موجود ہوں۔ میں ان سے ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں، لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں دے رہے، جب کہ اس سوال کا جواب انھیں معلوم ہے، مہربانی فرما کر آپ انھیں ہدایت کر دیجیے۔"

"اچھی بات ہے جمشید صاحب۔ آپ ریسیور گوگل صاحب کو دے

دیں۔"

"جی بہتر۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور انسپکٹر گوگل کو دیتے ہوئے کہا:

"اپنے ایس پی صاحب سے بات کر لیں۔"

ریسیور پکڑتے وقت گوگل کا ہاتھ کانپ گیا۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا:

"یس۔ یس سر۔ گوگل بول رہا ہوں۔"

"انسپکٹر جمشید جو کچھ پوچھیں۔ اس کا بالکل درست جواب دیں۔ کیا آپ نہیں جانتے۔ انسپکٹر جمشید کس حیثیت کے آدمی ہیں۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں جناب۔"

"تب پھر آپ نے سوال کا جواب دینے میں دیر کیوں لگائی؟"
دوسری طرف سے کہا گیا۔

"مجھے افسوس ہے سر۔ میں ان کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"کیا کہا۔ نہیں دے سکتے۔"

"ج۔ جی ہاں!"

"یہ میرا حکم ہے۔ آپ کو جواب دینا ہو گا۔"

"سوری سر۔ میں مجبور ہوں۔"

"اس صورت میں آپ کو اسی وقت استعفیٰ دینا ہوگا۔"

"بہت بہتر سر۔ میں استعفیٰ لکھے دیتا ہوں۔"

"ٹھہرو۔ میں آرہا ہوں۔ وہیں موجود رہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

انسپکٹر گوگل نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ اس کا چہرہ لٹک گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر حیرت پھیل گئی۔ انھوں نے جلدی سے اپنے والد صاحب کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور بھی بڑھ گئی کہ وہ دل کش انداز میں مُسکرا رہے تھے۔ ایسے میں فاروق بول اُٹھا:

"تو آپ نے رشوت وصول کی تھی۔"

انسپکٹر گوگل نے تلملائے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھا لیکن مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

آخر وردی میں ملبوس ایس پی صاحب اندر داخل ہوئے اور بولے:

"ہاں انسپکٹر گوگل۔ اب بتاؤ کیا بات ہے۔"

"بات واضح ہو چکی ہے جناب۔ انھوں نے سوکھے خان اور دوسرے جواریوں سے رشوت وصول کی تھی۔"

"اوہ!" ان کے مُنہ سے نکلا۔

"ہاں۔ میں نے۔ میں نے رشوت لی تھی۔ مجھے گرفتار کر

لیجیے۔"

انسپکٹر گوگل نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا اور ہاتھ باہر نکال دیے۔

کام کی چیز

وہ حیرت زدہ رہ گئے، یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ انسپکٹر گوگل اس طرح یک دم اپنے جرم کا اقرار کر لے گا۔ ایس پی صاحب نے بھی اسے گھور کر دیکھا:

"کیا کہہ رہے ہو گوگل۔ تم جانتے ہو۔ یہ جُرم کتنا سنگین ہے، تمھیں جیل جانا ہو گا۔"

"جی ہاں! میں نے رشوت لینے کا جرم کیا ہے۔ تو مجھے جیل بھی جانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ گرفتار کر لو بھئی انھیں۔" ایس پی صاحب نے گوگل کے ایک ماتحت سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے ماتحت نے اپنے افسر کو ہتھکڑی لگا دی؛ تاہم تھانے کا ہر آدمی ناخوش نظر آ رہا تھا جیسے انھیں انسپکٹر گوگل بہت پسند ہو۔

"اور تم نے ان سے کتنی رشوت وصول کی تھی؟"

"وہ تعداد میں چھ تھے۔ ان سب نے دو دو ہزار روپے بطور رشوت مجھے پیش کیے تھے۔"

"گویا بارہ ہزار روپے۔ مجرم نے اپنے منہ سے جُرم کا اقرار کر لیا ہے۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ تھانے سے نکل رہے تھے۔

"چھ جواری تھے۔ ان میں سے ایک تو مقتول ہی رہا ہو گا۔ دوسرا سوکھے خان۔ باقی چار اور۔ ان دو سے تو ہم کچھ معلوم نہیں کر سکتے، کیونکہ ایک دوسری دُنیا میں ہے، دوسرا جیل سے فرار ہو چکا ہے، لیکن باقی چار سے تو بات کی جا سکتی ہے۔ کیا خیال ہے، ابا جان۔" فاروق نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

"اب ان سے بات کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں بالکل۔ کوئی ضرورت نہیں۔" محمود نے کہا۔

"کیوں۔ کیا انھوں نے جُرم نہیں کیا تھا۔ رشوت دے کر آزاد پھر رہے ہیں۔ اور یقیناً کسی اور جگہ جوا بھی کھیلتے ہوں گے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ یہ ایک زوردار خیال تھا:

"ویری گڈ فاروق۔ آؤ چلیں۔" انسپکٹر جمشید پُرجوش لہجے میں بولے۔

"جی۔ کہاں چلیں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"آؤ۔" وہ پراسرار لہجے میں بولے۔

جلد ہی جیپ پھر دوڑی جا رہی تھی۔ آخر مقتول کے بھائی نعیم
کے گھر کے سامنے رکی۔ اس نے اتنی جلد انھیں پھر اپنے دروازے
پر دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں:

"گرفتار کیے جانے والے جواریوں کی تعداد چھ تھی۔ کیا آپ
بقیہ چار میں سے کسی کو جانتے ہیں یا کسی کے گھر تک ہمیں پہنچا سکتے
ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ جی نہیں۔ میں انھیں شکل صورت اور ناموں سے ضرور جانتا
ہوں، لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔"

"پھر ان کے نام اور حلیے ہی بتا دیں۔ محمود حلیے اور نام نوٹ
کر لو۔"

نعیم نے چار نام اور حلیے اٹک اٹک کر بتائے۔

"کیا آپ کو یقین ہے۔ جو کچھ آپ نے نوٹ کروایا ہے، بالکل
درست ہے۔"

"جی نہیں۔ مجھے یہ یقین نہیں۔ کیونکہ میں حلیے بتانے میں ہمیشہ
دشواری محسوس کرتا ہوں۔ تاہم اتنا ضرور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان
میں سے ایک کی ناک بالکل مڑی ہوئی تھی اور اس کا نام وہ مانا لیا
کرتے تھے۔"

"بہت خوب۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اب ہم کام چلا لیں گے۔"
جیپ میں بیٹھ کر وہ دفتر پہنچے۔ اکرام کو بلا لیا گیا۔

"مڑی ہوئی ناک۔ نام مانا۔ پکا جواری۔ یہ شخص ہمیں کہاں مل
سکے گا، اکرام۔"

"مڑی ہوئی ناک۔ مانا۔" اکرام بڑبڑایا۔ پھر سوچ میں ڈوب گیا،
آخری الماری کھول کر ایک پرانی فائل نکالی اور اس کے ورق الٹنے
لگا، پھر ایک جگہ اس کی نظریں رک گئیں۔

"لیجیے۔ یہ رہا مانا۔"

انھوں نے دیکھا۔ فائل میں مڑی ہوئی ناک والے ایک شخص کی
تصویر لگی تھی۔ اس کا حلیہ اور دوسری معلومات بھی درج تھیں۔

"آؤ تم بھی ساتھ چلو۔ ہم ذرا اس سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بہت بہتر۔"

وہ مانا کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ سب کی بے چینی عروج
پر تھی۔

"سوکھے خان کا کیا رہا۔"

"پورے شہر میں زور شور سے تلاش جاری ہے، لیکن ابھی تک
سراغ نہیں مل سکا۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کیس ہمیں نچا مارے گا۔ دماغ کی
چولیں ہلا ڈالے گا۔ بلکہ تگنی کا ناچ نچا ڈالے گا اور لوہے کے چنے
چبوا دے گا۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"دھت تیرے کی۔ کوئی محاورہ رہ تو نہیں گیا۔" محمود نے جھنا کر ران

پر ہاتھ مارا۔

"ابھی تو نہ جانے کتنے اس کی گھٹی میں پڑے ہیں۔" فرزانہ نے جل بُھن کر کہا۔

"تو تم کیوں جل رہی ہو؟"

"جلتی ہے میری جوتی۔" اس نے پاؤں پٹخا، لیکن اتفاق سے پاؤں محمود کے پاؤں پر لگ گیا۔

"ارے مرا۔ اُف۔" وہ چیخ اُٹھا۔

"کیا ہوا۔ خیر تو ہے۔"

"فرزانہ کی جوتی نے میرے پاؤں کا حلیہ بگاڑ دیا۔" محمود پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"اوہ، مجھے افسوس ہے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ تو آج کل فیشن ہے۔ ٹکر دے مارو۔ گاڑی اوپر چڑھا دو۔ کتنا ہی کسی کا نقصان کر دو۔ اور پھر صرف اتنا کہہ دو۔ اوہ سوری!" محمود نے اسے گھورا۔

اسی وقت اکرام نے بریک لگائے۔ اب جیپ وُہ چلا رہا تھا، کیونکہ مانا کا پتا اس کے ذہن میں صاف تھا۔ نیچے اتر کر انھیں ایک گلی میں چلنا پڑا۔ آخر ایک دروازے پر دستک دی گئی۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور اُنھوں نے ایک مُڑی ہوئی ناک دیکھی:

"مانا تمھارا ہی نام ہے؟"

"ج۔ جی ہاں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ہمیں تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"آ۔ آپ۔ آپ کون لوگ ہیں؟"

"بالکل شریف لوگ۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" فارُوق بول اُٹھا۔

اس نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور پھر ان کی طرف مڑا:

"آئیے۔ اندر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔"

"یہی تو ہم بھی چاہتے ہیں۔" فارُوق خوش ہو کر بولا۔

وُہ انھیں ایک ڈرائنگ روم نما کمرے میں لے آیا۔ کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے انھوں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ہر چیز سے غربت ٹپک رہی تھی۔ اس کا اپنا لباس بھی پھٹا پرانا تھا:

"معلوم ہوتا ہے۔ آپ کو جُوا کچھ راس نہیں آیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب۔" وہ زور سے چونکا۔

"ہم جانتے ہیں۔ آپ، سوکھے خان اور کچھ دوسرے جواری سلیم کے گھر جوا کھیلا کرتے تھے، پھر سلیم سوکھے خان کے ہاتھوں مارا گیا، یہ درست ہے نا۔"

"ہاں۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا: "آپ کون ہیں؟"

"اور اس واردات سے پہلے ایک بار پولیس نے چھاپہ مارا تھا۔ انسپکٹر گوگل نے تم چھ جواریوں کو گرفتار کر لیا تھا، لیکن پھر تھانے لے

جانے کے بعد چھوڑ دیا — یہ بھی درست ہے نا۔"

"ہاں — بالکل درست ہے۔ آپ نے بتایا نہیں — آپ کون ہیں۔"

"اور پھر آپ لوگ دو دو ہزار روپے رشوت دے کر گرفتاری سے بچنے میں کامیاب ہو گئے۔" وہ بولے۔

"نن — نہیں تو — یہ بات تو نہیں۔" اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا —

"کیا مطلب — کیا تم چھ جواریوں نے انسپکٹر گوگل کو دو دو ہزار روپے رشوت دے کر اپنی جان نہیں چھڑائی تھی۔"

"بالکل نہیں — ہم نے تو ایک پیسہ بھی رشوت نہیں دی تھی۔"

وہ حیرت زدہ رہ گئے — محمود نے بے چین ہو کر کہا:

"تب پھر آپ لوگ کس طرح چھوٹے۔"

"سوکھے خان نے کسی کو فون کرنے کی اجازت مانگی تھی — انسپکٹر گوگل نے اجازت دے دی — اس نے فون کیا، پھر ریسیور انسپکٹر کو دے دیا — انسپکٹر گوگل نے فون سنا تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا — اور اس نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔"

"کیا کہا — جانے کی اجازت دے دی۔" اکرام دھک سے رہ گیا —

"جی ہاں — آپ لوگ کون ہیں؟" اس کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی —

"ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔"

"اوہ — کیا آپ مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں؟"

"ارادہ تو تھا — لیکن تمہارے حالات دیکھ کر تبدیل کر دیا — شاید تم بہت تنگ دست ہو چکے ہو۔"

"ہاں — نوبت فاقوں تک پہنچ چکی ہے — بیوی بچے بھوکوں مر رہے ہیں — جوئے میں میں اپنا سب کچھ تباہ کر چکا ہوں۔"

"یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے — جوا ایک لعنت ہے — خیر — میں تمہارے لیے ضرور کچھ کروں گا — اگر تم جوئے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے توبہ کر لو — کل میرے دفتر آ جانا — یہ رہا میرا کارڈ۔"

جونہی اس نے کارڈ پر نظر ڈالی، اچھل پڑا — آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

○

"آپ ہاٹ پاٹ نہیں لائے۔" بیگم جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"سوری بیگم — ہاٹ پاٹس کو تو ہم بالکل بھول گئے۔"

"اس کا مطلب ہے — اب مجھے نویں مرتبہ کھانا گرم کرنا پڑے گا۔"

"ابھی گرم نہ کرنا — ذرا ہم ایک بار پھر لائبریری میں ہو آئیں۔"

"گویا ابھی آپ فارغ نہیں ہوئے۔"

"نن۔نہیں۔ابھی کہاں۔ابھی تو مُجرم دندناتا پھر رہا ہے۔جیل سے فرار ہو کر ایسا غائب ہو گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"اللہ اپنا رحم کرے۔نہ جانے لوگ اس طرح کیونکر غائب ہو جاتے ہیں، گدھے کے سینگوں کی طرح۔کبھی کبھی تو میں سوچنے لگتا ہوں۔اگر گدھے کے سینگ ہوتے تو کیا ہوتا۔اور وہ ہوتے کس طرح کے۔"

وُہ مسکراتے ہوئے لائبریری میں داخل ہو گئے:

"اب پھر لائبریری کی کیا ضرورت پڑ گئی ابّا جان۔" فاروق بولا۔

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔جیسے ہم نے سوکھے خان کے مقدمے کی کارروائی کو غور سے نہیں پڑھا۔کچھ باتوں کو ہم نے سرسری نظر سے دیکھا ہے، لیکن اب ہم ان پر سرسری توجہ نہیں دیں گے۔"

"لیکن ابّا جان۔جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو وہ کون سی باتیں ہیں، اس وقت تک کس طرح ہم ان پر خصوصی توجہ دے سکتے ہیں۔" فارُوق پریشان ہو کر بولا۔

"عقل کے ذریعے۔کچھ عقل سے بھی کام لیا کرو۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اس کام کے لیے تم کیا کم ہو۔" فارُوق نے جل کر کہا۔

"باتیں کم اور کام زیادہ۔آؤ اخبارات میں گم ہو جائیں۔" محمود نے ان کی بحث ختم کرنے کی کوشش کی۔

اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید پھر اخبارات کو پھیلا چکے تھے۔اور بغور ان کا جائزہ شروع کر چکے تھے۔انھوں نے بھی یہی کام شروع کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کی مغز ماری کے باوجود بھی انھیں کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔جبکہ انسپکٹر جمشید نے مطمئن انداز میں سر اٹھاتے ہوئے کہا:

"آؤ بھئی۔اب کھانا کھا ہی لیں۔"

"جی۔کیا مطلب۔کھانا کھا لیں۔"

"ہاں! اور کیا۔تمھاری امّی بہت پریشان ہیں۔"

"اور یہ اخبارات۔"

"اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔مجھے جو کچھ دیکھنا تھا، دیکھ لیا۔جو کچھ معلوم کرنا تھا، کر چکا۔"

"اوہ۔تو کیا سارا معاملہ آپ کی سمجھ میں آ چکا ہے؟"

"ہاں! آؤ۔"

وُہ باہر نکل آئے۔بیگم جمشید صحن میں اُداس بیٹھی تھیں۔انھیں لائبریری سے نکل کر آتے دیکھا تو بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔صرف اتنا کہا:

"میں جانتی ہوں۔اب بھی آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔اب پھر کسی ضروری کام سے جائیں گے۔لہٰذا میں نے اِس مرتبہ کھانا گرم نہیں

کیا۔"

"ارے۔ یہ کیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں۔ کیا ہوا۔"

"ہم تو کھانا کھانے کے ارادے سے باہر نکلے تھے۔"

"کیا!!!" بیگم جمشید زور سے چلّا اٹھیں۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ پھر جیپ میں بیٹھے اور ایک سمت میں روانہ ہو گئے۔ لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اب ان کا رُخ کس طرف ہے:

"کیا ہم مجرم کی طرف جا رہے ہیں ابّا جان!"

"ابھی نہیں۔ ابھی چند ثبوت حاصل کرنے ہیں۔"

"کیا آپ کا اشارہ سوکھے خان کی طرف ہے؟"

"ہاں! اس کی طرف ہے۔" اُنھوں نے کہا۔

"تو کیا آپ جان چکے ہیں۔ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔"

"اندازہ ضرور لگا چکا ہوں۔ لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اور یقین سے آپ وُہ چند ثبوت حاصل کرنے کے بعد کہہ سکیں گے۔"

"ہاں۔ یہی بات ہے۔ اوہو۔ ہم ایک بات تو بھول ہی گئے۔"

"جی وہ کون سی؟"

"سوکھے خان نے سیکرٹری صاحب کو کوئی نُقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ سادہ لباس والوں کو تو خیر وہاں مقرر کر دیا تھا۔"

"تو پھر فون کریں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ پہلے یہ کام ہی کر لیتے ہیں۔"

اُنھوں نے جیپ میں لگے فون کے ذریعے ہی رابطہ قائم کیا۔ جلد ہی اصغر رئیسانی کی آواز سُنائی دی۔

"ہیلو۔ رئیسانی بول رہا ہوں۔"

"اور میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ فرمائیے۔ کسی قسم کا خطرہ تو محسوس نہیں ہوا؟"

"بالکل نہیں۔ سوکھے خان کا تو دُور دُور تک پتا نہیں۔ شاید وُہ حفاظتی انتظامات دیکھ کر ڈر گیا۔"

"چلیے شکر ہے۔ ویسے فی الحال آپ محتاط ہی رہیں۔ جب تک میں اسے گرفتار نہ کر لوں۔ اور میں اسے بہت جلد گرفتار کر لوں گا۔ انشار اللہ۔"

"کیا اس کا کوئی سراغ ملا ہے؟"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اچھا جناب خُدا حافظ۔"

"شکریہ۔ خُدا حافظ۔" اُنھوں نے کہا۔

"لو بھئی۔ سوکھے خان نے ابھی تک اُنھیں نقصان پہنچانے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی۔"

"وہ بے چارا تو اپنی جان بچاتا پھر رہا ہو گا۔ کسی پر کیا حملہ کرے گا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں اور کیا۔ اب کہاں کا ارادہ ہے ابا جان؟"

"پہلے ذرا میونسپل کارپوریشن کے ریکارڈ روم میں چلیں گے۔ وہاں ایک بہت پرانا ریکارڈ دیکھیں گے۔ اس کے بعد ایک اور شخص سے ملنے چلیں گے۔"

"اس ایک اور شخص کا کوئی نام نہیں ہے؟"

"نام تو خیر ہے۔ لیکن میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا۔"

"چلیے خیر۔ یہ بتا دیں کہ ریکارڈ روم میں کیا دیکھنا ہے۔"

"بس دیکھتے جاؤ۔ ساری باتیں جیپ میں تو نہ پوچھو۔"

ریکارڈ روم کے دروازے پر پہنچ کر محمود بولا:

"ابا جان! اس طرح مزا نہیں آ رہا۔ آپ ہمیں یہیں چھوڑ جائیں۔"

"کیا مطلب!" وہ حیران ہو کر بولے۔

"ہم یہاں ٹھہر کر اندازوں کے گھوڑے دوڑائیں گے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ آپ یہاں کس کا ریکارڈ دیکھنے آئے ہیں۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ تم ضرور یہاں ٹھہر کر اپنے ذہنوں کو جھنجوڑو۔" وہ مسکرا اٹھے۔

"شکریہ ابا جان!" تینوں ایک آواز ہو کر بولے اور وہ اندر چلے گئے۔

تینوں گھاس پر آ کر بیٹھ گئے:

"اس کیس نے تو دماغ کی چولیں ہلا دیں۔ ذرا بتاؤ تو فرزانہ۔ ابا جان اندر کیا دیکھنے گئے ہیں؟"

"سوکھے خان کی پیدائش کا ریکارڈ دیکھنے۔ یہ معلوم کرنے کہ وہ کس کا بیٹا ہے۔ کس گھر میں پیدا ہوا۔"

"میرے ذہن میں وہ فون چبھ رہا ہے۔ جو سوکھے خان نے تھانے سے کیا تھا۔ آخر اس نے کس شخص کو فون کیا تھا۔ اور انسپکٹر گوگل نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔"

"اوہ۔ میرا خیال ہے۔ ابا جان یہاں سے انسپکٹر گوگل سے ہی ملنے جائیں گے۔ کیونکہ مانا کے بیان کے بعد اس کا بیان غلط ثابت ہو جاتا ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مانا کا اپنا بیان غلط ہو۔"

"جن حالات میں وہ اس وقت گرفتار ہے۔ ان میں کیا غلط بیانی کرے گا۔ بھوک تو اچھے اچھوں کو سچ بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔"

آدھ گھنٹے بعد انسپکٹر جمشید باہر نکلتے نظر آئے:

"کام ہو گیا ابا جان۔"

"ہاں بھئی۔ جو کچھ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، معلوم کر چکا۔ تم نے کیا اندازے لگائے؟" وہ بولے۔

" کیا آپ سوکھے خان کا ریکارڈ دیکھنے آئے تھے ۔ یہ کہ وہ کس گھر میں پیدا ہوا ، کس کا بیٹا ہے ؟" محمود نے کہا۔

" ہاں ۔ یہ اندازہ تو تم نے درست لگا لیا ۔"

" تب پھر اب ہم انسپکٹر گوگل سے ملنے جائیں گے ، کیونکہ ماما کے بیان کے مطابق اس نے جھوٹ بولا ۔ اس نے ان چھ جواریوں کو رشوت لے کر نہیں ، کسی کا فون سن کر چھوڑا تھا ۔"

" تمھارا یہ اندازہ بھی درست ہے ۔ ہم اس سے بھی ضرور ملیں گے ، لیکن ۔ تم ایک پہلو نظر انداز کر گئے ۔ اور وہ یہ کہ ابھی تک ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کے اسسٹنٹ اکرم منیر سے ملاقات نہیں کی ، جب کہ ان سے ملاقات بہت ضروری ہے ۔"

" اوہ ہاں ۔" وہ چونک کر بولے ۔

اکرم منیر کا نام تو واقعی ان کے ذہنوں سے نکل چکا تھا ۔ حالانکہ وہ ان کا پتا نوٹ کر لائے تھے ۔

" تو کیا پہلے اکرم منیر صاحب سے ملنے کا ارادہ ہے ۔"

" ہاں ۔ آؤ چلیں ۔"

" اس کیس میں ہم نے آؤ چلنے کے سوا کیا ہی کیا ہے ۔" فاروق نے منہ بنایا ۔

" لیکن اس کے باوجود مارے بے چینی کے برا حال ہے ۔" فرزانہ مسکرائی ۔

" ہوگا تمھارا ۔ میرا مارے بے چینی کے کبھی برا حال نہیں ہوتا ، ہونے کی کوشش بھی کرتا ہے تو بھی میں اس کی کوشش کو ناکام بنا دیتا ہوں ۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا ۔

" کس کی کوشش کو ۔" محمود نے حیران ہو کر کہا ۔

" برے حال کی ۔" فاروق بولا ۔

" لیجیے ۔ ہوگئیں اوٹ پٹانگ باتیں شروع ۔"

اکرم منیر انھیں پہچانتے تھے ، گرم جوشی سے ملے :

" سوکھے خان جیل سے کس طرح فرار ہو سکتا ہے ، اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں آپ ۔"

" میں خود حیران ہوں ۔ اس کی کوٹھری کی چابی جس نگران کے پاس تھی ، وہ پندرہ سال پرانا قیدی ہے ۔ اس وقت نگرانوں کا انچارج بھی ہے ، ہم اس پر شک کر ہی نہیں سکتے ۔ ان حالات میں نہ جانے اس نے تالا کس طرح کھول لیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ملاقاتی اسے چابیوں کا گچھا پکڑا گیا ۔ جو نگران تلاشی کے دوران برآمد نہ کر سکا ۔ جب بھی کوئی قیدی اپنے کسی عزیز سے ملاقات کرتا ہے تو ہم کوٹھری میں بھیجنے سے پہلے اس کی تلاشی لیتے ہیں ۔"

" ہوں ، لیکن مشکل یہ ہے کہ ریکارڈ سے اس کی فائل بھی گم ہے ، یہ کس طرح ممکن ہے ؟"

" اس پر بھی مجھے حیرت ہے ۔ جیل کی زندگی میں پہلی بار ایسا

ہوا ہے۔ کبھی کوئی فائل غائب نہیں ہوئی۔"

"تب پھر۔ صاف ظاہر ہے، عملے کا کوئی آدمی اس کام میں شریک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اور اس کا مطلب ہے، ہمیں ایک ایک مُلازم سے پُوچھ گچھ کرنا ہو گی۔"

"جی۔ جی ہاں۔ ضرور۔"

"میں آپ سے صرف ایک سوال اور کروں گا۔ کیا سوکھے خان رات کو بھی جیل میں ہی رہتا تھا۔ ایسا تو نہیں کہ سُورج غروب ہونے کے بعد اسے جیل سے نکال دیا جاتا ہو اور وُہ صبح سویرے پھر اپنی کوٹھڑی میں آجاتا ہو۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے مُلک میں کیا نہیں ہوتا۔ میں نے سُنا ہے، نامی گرامی مُجرم راتوں کو اپنے گھروں میں ہوتے ہیں اور دن کے وقت جیل میں۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں نے بھی اخبارات میں اس قسم کی خبریں پڑھی ہیں، لیکن ہماری جیل میں ایسا نہیں ہوتا۔"

"اچھا خیر۔ میں دیکھوں گا، اس معاملے میں خرابی کہاں ہے۔" اُنھوں نے کہا اور اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

انسپکٹر ڈگوگل نے حوالات کی سلاخوں میں سے انھیں طیش بھری نظروں سے دیکھا اور تقریباً چلّا کر بولا:

"اب آپ لوگ میرے پاس کس لیے آئے ہیں؟"

"ایک دو باتیں کرنے۔"

"میں آپ سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ پہلے ہی آپ مجھے حوالات پہنچا چکے ہیں۔"

"میں نہیں۔ آپ کے اعمال۔ ویسے آپ نے غلط بیانی کیوں کی؟"

"غلط بیانی۔ کیا مطلب۔ کیسی غلط بیانی۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"مانا جواری کا کہنا ہے کہ۔ آپ نے ان سے کوئی رشوت نہیں لی تھی۔ آپ نے تو ان کو کسی کے حکم پر چھوڑا تھا۔ سوکھے خان نے کسی کو فون کرنے کی اجازت مانگی تھی اور سلسلہ ملنے پر سوکھے خان نے اپنی گرفتاری کی خبر سُنا کر ریسیور آپ کو دے دیا تھا۔ آپ نے دوسری طرف کسی کا حکم سُنا اور ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ ان حالات میں ہم حیران ہیں کہ آپ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی، آپ تو اس شخص کا نام لے کر کہہ سکتے تھے کہ آپ نے ان لوگوں کو اس کے حکم سے چھوڑا تھا، اس طرح آپ کو گرفتار نہ کیا جاتا، بلکہ اس شخص سے پُوچھ گچھ کی جاتی۔ یا پھر ہو سکتا ہے، وہ شخص کوئی بہت بڑا جرائم پیشہ اور غنڈہ ہو اور اس نے آپ کو دھمکی دی ہو کہ اگر آپ نے سوکھے خان کو نہ چھوڑا تو وُہ آپ سے سمجھ لے گا۔ کیوں۔ کیا ایسی ہی کوئی بات

ہے۔"

"ہاں۔ مجھے بادل ڈاکو نے دھمکی دی تھی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں، بادل ڈاکو دس سال سے مفرور ہے اور گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی خونی کارروائیاں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ لہٰذا میں بھی اس سے خوفزدہ ہو گیا۔"

"بادل ڈاکو۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی ہاں، اگر آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو آپ انسپکٹر مہربان علی کے سابقہ پولیس اسٹیشن کا ریکارڈ دیکھ سکتے ہیں۔"

"لیکن ایک پولیس آفیسر کو ایک ڈاکو سے ڈر کر مجرموں کو رہا نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح قانون کا احترام کون کرے گا۔" انھوں نے کہا۔

"مم۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"یہ کوئی ایسی ویسی غلطی نہیں۔ آؤ بھئی چلیں۔" انھوں نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گئے۔ باہر نکل کر انھوں نے کہا:

"بس بھئی۔ اب ہم گھر چلیں گے۔ بہت تھک چکے ہیں۔ یہ مجرم لوگ تو کسی طرح قابو میں ہی نہیں آ رہے۔ ارے ہاں۔ اگر ناگوار نہ محسوس کرو تو لگے ہاتھوں رئیسانی صاحب کی خیریت معلوم کرتے چلیں۔"

"اس میں ناگواری محسوس کرنے کی کیا بات ہے۔ کسی کی خیریت

معلوم کرنا یوں بھی ثواب کا کام ہے۔"

"ہوں، تو پھر آؤ۔ اس کے بعد ہم گھر چلیں گے۔"

"اور اس کیس پر دماغ لڑائیں گے۔ کیونکہ اور تو ہم سب کچھ کر چکے۔ بس دماغ لڑانا باقی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہر بات میں منہ بنانا تمھارے لیے بہت ضروری ہے — کیوں۔ یہی بات ہے نا۔" فرزانہ نے بھنّا کر کہا۔

"ہاں۔ اور تمھارے لیے جلنا بھننا۔ محمود کے لیے تلملانا —" فاروق مسکرایا۔

"لو۔ مجھے بھی گھسیٹ لیا۔" محمود بولا۔

اصغر رئیسانی کی کوٹھی کے گرد سادہ لباس والے چوکس کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک کی طرف بڑھتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے کہا:

"کیوں بھئی۔ ہر طرح سے خیریت تو ہے نا۔ سوکھے خان کے آثار تو نظر نہیں آئے۔"

"جی نہیں، اس کا تو دُور دُور پتا نہیں۔"

"ہوں!" انھوں نے کہا اور آگے بڑھ کر دروازے کی گھنٹی بجائی۔ اسی ملازم نے دروازہ کھولا:

"جی فرمائیے۔"

"بھئی۔ فرمائیں کیا۔ بس ذرا رئیسانی صاحب کی خیریت معلوم کرنے آئے ہیں۔"

"تشریف لائیے۔" اس نے کہا اور انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا، پھر ان کے بیٹھنے کے بعد کمرے سے نکل گیا۔ جلد ہی انھوں نے قدموں کی آواز سنی۔ نظریں اوپر اٹھائیں تو ریئسانی صاحب آتے نظر آئے۔

"ہیلو۔ انسپکٹر جمشید۔ کہیے کیا رہا۔"

"افسوس! ہم ابھی تک سوکھے خان کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ نہ جانے وہ کس کونے میں جا چھپا ہے۔ تاہم آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، باہر انتظامات مکمل ہیں۔"

"شکریہ۔ لیکن میرا دل پھر بھی ڈر رہا ہے۔"

"حالانکہ میں نہیں سمجھتا۔ ڈرنے کی کوئی بات ہے۔"

ریئسانی صاحب نے کوئی جواب دیے بغیر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ جلد ہی وہی ملازم اندر داخل ہوا:

"راکی۔ ان لوگوں کے لیے چائے لے آؤ۔"

"نہیں جناب۔ شکریہ۔ اس کی ضرورت نہیں، ہم بلا ضرورت اور بے وقت چائے ہرگز نہیں پیتے۔"

"اچھا تو شربت لے آؤ۔"

"نہیں جناب۔ ہم شربت بھی نہیں پییں گے۔ کھانے پینے کے اوقات کے علاوہ ہم کچھ بھی نہیں کھاتے پیتے۔"

"تب تو آپ بہت بااصول ہیں۔ سگریٹ تو پیتے ہوں گے آپ۔"

"جی۔ جی نہیں۔" وہ بولے۔

"اس معاملے میں آپ کہاں تک پہنچے؟"

"کافی معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ عنقریب پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ مجرم کا چہرہ بے نقاب ہو کر رہے گا۔" انھوں نے کہا۔

"بہت خوب۔ یہی میں چاہتا ہوں۔ سوکھے خان جس قدر جلد گرفتار ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔"

"فکر نہ کریں۔ وہ گرفتار ہو کر رہے گا۔ بچ نہیں سکتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے آپ پر اعتماد ہے۔" وہ بولے۔ "ویسے ذرا اس سارے معاملے پر کچھ روشنی تو ڈالیں۔ آخر سوکھے خان کس طرح فرار ہو گیا۔ بیٹھے بٹھائے یہ چکر کیوں شروع ہوا؟"

"یہ چکر ہرگز شروع نہ ہوتا۔ اگر مقتول کا بھائی سوکھے خان کو ایک ہوٹل میں رات کا کھانا کھاتے ہوئے نہ دیکھ لیتا، وہ اگرچہ میک اپ میں تھا، لیکن اس نے پھر بھی چند خاص عادات کی بنا پر اسے پہچان لیا، سوکھے خان کو جیل سے باہر دیکھ کر اس کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ اس کے بھائی کا قاتل تھا۔ عمر قید کی سزا اسے سنا دی گئی تھی اور جیل کاٹ رہا تھا۔ ان حالات

میں اس کا جیل سے باہر نظر آنا حد درجے عجیب بات تھی۔ وہ ہوٹل
کے ہال میں اسے کھانا کھاتے دیکھتا رہا، اس کا خون کھولتا رہا۔
یہاں تک کہ اس نے سوکھے خان کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ ارے،
اسے تو میں بھول ہی گیا۔ معاف کیجیے گا جناب۔ میں اپنی بات
درمیان میں چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ کیا میں آپ کا فون
استعمال کر سکتا ہوں؟"

"یہ بھی کوئی اجازت لینے کی بات ہے۔" رئیسانی صاحب
مسکرائے۔

"شکریہ جناب۔" انھوں نے کہا اور دفتر کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے چوکیدار کی آواز سنائی دی۔

"اکرام کہاں ہے؟"

"ابھی ابھی کہیں سے واپس آئے ہیں اور گھر کی طرف گئے ہیں۔"

"انھیں ذرا فون تک لے آئیں۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا، ریسیور میز پر رکھے جانے کی
آواز سنائی دی۔ وہ انتظار کرتے رہے۔ آخر تین منٹ بعد اکرام
کی آواز کانوں سے ٹکرائی:

"ہیلو اکرام۔ میری میز کی ٹوکری میں کاغذ میں لپٹا چائے
کا ایک کپ رکھا ہے۔ ذرا وہ تو اسی حالت میں مجھ تک پہنچا دو۔
میں رئیسانی صاحب کے ہاں موجود ہوں۔"

"بہت بہتر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ وہ ریسیور رکھ کر ان کی
طرف مڑے اور بولے:

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ سوکھے خان تو کھانا کھا کر چلا گیا،
مقتول کا بھائی وہیں بیٹھا کھولتا رہا اور سوچتا رہا کہ کیا کرے۔
کیا اس کی بات پر کوئی یقین کرے گا۔ بغیر ثبوت کے وہ اپنی
بات کس طرح ثابت کر سکے گا۔ اچانک اسے ایک تدبیر سوجھی۔
دوسرے دن وہ مجھ سے ملا۔ اس نے مجھے ساری کہانی سنائی۔ ساتھ
ہی یہ خطرہ بھی ظاہر کیا کہ اگر جیل کے حکام خبردار ہو گئے تو ہر
ثبوت مٹا دیں گے۔ لہٰذا نہایت خاموشی سے عمل کرنا چاہیے۔
میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ متعلقہ تھانے سے فائل منگوائی،
اس وقت تک میں نے اس واقعے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی
تھی، کیونکہ یہ بات عام طور پر سننے میں آتی ہے کہ ہمارے مُلک
کی جیلوں میں بڑے بڑے با اثر قیدی راتوں کو اپنے گھر چلے جاتے
ہیں۔ صبح سویرے منہ اندھیرے جیل میں واپس آ جاتے ہیں۔ اس
وقت میں سمجھا تھا، یہ کوئی اس قسم کا معاملہ ہے۔ لہٰذا فائل کا مطالعہ
بھی دوسرے روز کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس سے پہلے ہی فائل
میری میز سے اڑا لی گئی۔ جس طریقے سے اڑائی گئی۔ وہ میرے لیے
حیران کن تھا۔ گویا بہت ہی منظم لوگ اس معاملے میں مصروفِ کار
تھے۔ آپ یہ تفصیلات اخبارات میں پڑھ ہی چکے ہیں۔ ان کے

دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہرحال۔ میں جیل پہنچا۔ وہاں سے بھی
نہ صرف فائل اڑائی جا چکی تھی۔ بلکہ سوکھے خان بھی غائب تھا، اس کی
کوٹھری کا دروازہ کھلا تھا۔ گویا سوکھے خان کا پورا ریکارڈ ہی غائب
ہو چکا تھا۔ اب ہم یہ بات کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے تھے کہ جس
آدمی کو ہوٹل میں دیکھا گیا، وہ سوکھے خان ہی تھا۔ فائل میرے پاس
ہوتی تو میں اس کے ذریعے بہت جلد آگے بڑھ جاتا۔ ادھر انسپکٹر
گوگل سے ملاقات کرنے پر معلوم ہوا کہ کیس کی تفتیش انسپکٹر مہربان
علی نے کی تھی۔ مہربان علی کے بارے میں معلوم ہوا، استعفیٰ دے کر
کسی نامعلوم شہر چلا گیا ہے۔ یہ سب معلومات ایسی تھیں جو معاملے
کے خاص ہونے کی طرف نشان دہی کر رہی تھیں۔ لہٰذا ہم نے بھی
آرام نہیں کیا اور بھاگ دوڑ میں لگے رہے۔ یہ ایک مشکل ترین
کیس تھا اور اس نے ہمیں خوب ہی چکر دیے، لیکن آخر کار ہم
بھی یہ جاننے میں کامیاب ہو ہی گئے کہ اس سارے چکر کے پیچھے
کس کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔"

"اوہو۔ اچھا۔ تو آپ یہ بات معلوم کر چکے ہیں۔" ریشانی صاحب
نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں بالکل۔ افسوس یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو تلاش نہیں کر
سکے۔ اگر وہ مل جاتا تو اور بھی اچھا تھا۔"

"اور وہ کون؟"

"انسپکٹر مہربان علی۔ نہ جانے وہ کون سے شہر میں جا بسا ہے۔
وہ جاتے وقت کسی کو اپنا پتا بھی تو نہیں بتا کر گیا۔ خیر ہمارا کام اس
کے بغیر بھی چل گیا۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید چونک کر بولے:

"یہ ضرور میرا اسسٹنٹ ہے، اپنے ملازم سے کہیے۔ اسے یہیں لے آئے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور گھنٹی بجائی۔

"راکی۔ انسپکٹر صاحب کے اسسٹنٹ کو یہیں لے آؤ۔"

"بہت بہتر جناب۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"مہربان علی اگر مل جاتا تو آپ اس کے ذریعے کیا مدد لیتے؟"

"بس۔ اس کا صرف بیان ہی کافی ہوتا۔ دراصل اس کے گھر
کے ڈرائنگ روم میں ردی کی ٹوکری رکھی تھی۔ اور اس ٹوکری میں سگریٹ
کے دو پیکٹ بھی موجود تھے۔ ہم اس سے صرف یہ معلوم کرتے
کہ وہ کون سے سگریٹ پیتے ہیں اور وہ دوسرا پیکٹ کس نے ردی
کی ٹوکری میں پھینکا ہے اور معاملہ حل ہو جاتا۔"

"اوہ واقعی۔" انھوں نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ اکرام ملازم کے ساتھ
اندر داخل ہوا:

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام۔ لائیے اکرام۔"

"جی ہاں۔ یہ رہا۔" اس نے کہا اور کاغذ میں لپٹا ہوا کپ ان کی طرف بڑھا دیا۔ اُنھوں نے کپ پر سے کاغذ اتار دیا۔ انھوں نے دیکھا۔ کپ پر ہوٹل رضوان لکھا تھا:

"یہ اس ہوٹل کا کپ ہے۔ جس میں سوکھے خان کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھا گیا اور مقتول کے بھائی نے نہایت صفائی سے یہ کپ اس میز سے اڑا لیا تھا۔ گویا اس پر سوکھے خان کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور دونوں فائلیں چوری ہو جانے کے باوجود، ہمارے پاس ایک عدد کام کی چیز موجود ہے۔"

اُنھوں نے کہا اور خاموش ہو گئے۔ نہ جانے کیوں۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی ۔۔۔

خوفناک بات

"لیکن بھئی۔ آپ نے یہ کپ یہاں کیوں منگوایا ہے؟"

"بس ایسے ہی۔ مجھے اچانک ہی اس کا خیال آیا تھا کہ یہ دفتر بس رہ گیا ہے اور مجرم اسے بھی چوری کر سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔ خیر۔ اب آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ میرے آرام کا وقت ہو چکا ہے۔"

"جی ہاں۔ ضرور کیوں نہیں۔ آؤ بھئی اکرام چلیں۔ ابھی ہمیں سوکھے خان کو بھی گرفتار کرنا ہے۔ جب تک ہم اسے گرفتار نہیں کر لیتے، اس وقت تک اس کیس میں پوری طرح کامیابی ممکن نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اُٹھے۔ اکرام تو ابھی آ کر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا۔ پانچوں دروازے کی طرف چل پڑے۔ دروازے پر پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے مڑکر رئیسانی صاحب کی طرف دیکھا اور بولے:

"ویسے سر — میرا ایک خیال اور ہے — اور وہ خیال بہت زور دار ہے۔"

"کیا مطلب — کیسا خیال؟"

"یہ کہ سوکھے خان کو عمر قید کی سزا سنائے جانے کے بعد اسے جیل ضرور بھیج دیا گیا تھا — لیکن اسی رات اسے جیل سے باہر نکال دیا گیا اور پھر اس نے جیل کی کوٹھری کا رُخ ہر گز نہیں کیا، وہ اسی روز سے آزاد پھر رہا ہے۔"

"یہ — یہ کس طرح ممکن ہے؟" ریسانی صاحب دھک سے رہ گئے —

"قتل کی اس واردات سے پہلے — انسپکٹر گوگل نے مقتول کے گھر پر چھاپہ مار کر سوکھے خان اور پانچ اور جواریوں کو گرفتار کیا تھا اور انھیں لے کر تھانے آگیا تھا — تھانے میں آ کر سوکھے خان نے کسی کو فون کرنے کی اجازت مانگی — انسپکٹر گوگل نے سمجھا — وہ اپنے لیے کسی وکیل کو فون کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس نے اجازت دے دی — سوکھے خان نے کسی کو فون پر حالات بتائے اور پھر ریسیور انسپکٹر گوگل کو دے دیا — نہ جانے دوسری طرف کون تھا اور اس نے انسپکٹر گوگل سے کیا کہا — انسپکٹر نے اسی وقت چھ کے چھ جواریوں کو چھوڑ دیا — گویا سوکھے خان، بہت اثر رسوخ والا آدمی ہے — تو کیا یہ ممکن

ہیں کہ اس نے جیل جانے سے پہلے بھی اس شخص کو فون کیا ہو اور اس شخص نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے کہا ہو کہ سوکھے خان اس ا آدمی ہے اور اسے جیل میں نہیں رکھا جائے گا — چنانچہ پرنٹنڈنٹ جیل یا ان کے اسسٹنٹ نے اسے رات کے وقت جیل سے نکال باہر کیا ہو — اب باہر رہنے والوں کو کیا خبر کہ کون کون سا قیدی جیل میں موجود ہے اور کون کون سا نہیں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"نہیں نہیں — بھئی جمشید — یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں —" ریسانی صاحب بول اُٹھے۔

"کیوں جناب — ممکن کیوں نہیں؟"

"بھئی جیل کے قیدیوں کی باقاعدہ چیکنگ ہوتی ہے — گنتی ہوتی ہے — پورا ریکارڈ دیکھا جاتا ہے —"

"لیکن کون دیکھتا ہے — سپرنٹنڈنٹ جیل — اور تو کوئی نہیں دیکھتا، یا اگر کوئی اور آفیسر آ کر دیکھ بھی لے — تو بھی وہ ایک ایک آدمی کو تو چیک نہیں کرتا۔"

"ہوں — آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں — اُف خدا — تو گویا سوکھے خان سرے سے جیل میں رہا ہی نہیں —"

"جی ہاں — بالکل نہیں رہا — یہی میں کہنا چاہتا ہوں — اور یہ سب کچھ اس شخص کے حکم سے ہوا جس نے انسپکٹر گوگل کو چھ جواریوں کو رہا

کر دینے کا حکم دیا تھا۔"

"تب پھر آپ اسے گرفتار کیوں نہیں کرتے۔ اصل مُجرم تو وُہ ہے۔"

"جی ہاں! یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ اصل مجرم وہی ہے، لیکن میں اسے گرفتار کس طرح کروں۔"

"تو ابھی تک آپ یہ نہیں جان سکے۔ کہ وہ کون ہے۔ یہ تو بہت بُری بات ہے۔ خیر آپ کوشش کریں، امید ہے کہ معلوم کر ہی لیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"میں جب بھی کوئی کیس ہاتھ میں لیتا ہوں۔ اس کے لیے اپنی پوری کوشش کرتا ہوں۔"

"اور اس بار تو ہم نے پوری کوشش سے بھی دو ہاتھ آگے کوشش کی ہے۔" فارُوق بول اٹھا۔

"لیجیے۔ اب کوشش بھی دو ہاتھ آگے ہونے لگی۔" محمود نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

"آگے آگے دیکھیے۔ کیا کچھ دو ہاتھ آگے نہیں ہوتا۔" فارُوق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"توبہ ہے۔ آگے کے پیچھے پڑ گئے۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آگے کے پیچھے۔ یہ کیا بات ہوئی۔" اکرام نے بوکھلا کر کہا اور

وُہ مسکرا دیے۔

"یہ کیا شروع کر دیا تم نے۔ کتنی سنجیدہ گفتگو ہو رہی تھی۔" انسپکٹر جمشید بھنّا اُٹھے۔

"اور کیا۔ نہ موقع دیکھتا ہے نہ محل۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ تشریف لے جائیے۔ جونہی کوئی اور کامیابی ہو۔ مجھے فون کرنا نہ بھولیے گا۔"

"جی بہتر۔ ویسے جناب میرے ذہن میں اس شخص کا نام گونج رہا ہے۔ جس نے فون پر انسپکٹر گوگل کو حکم دیا تھا۔ نام زبان پر آیا ہی چاہتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا خیال ظاہر کر ہی دوں۔"

"اوہو۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ضرور ظاہر کر دیں۔" وُہ بولے۔

"تو پھر سُنیے۔ وُہ شخص آپ ہیں۔"

○

محمود، فاروق، فرزانہ اور اکرام زور سے اُچھلے، پھر کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ کتنے ہی لمحے گزر گئے، لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے — جیسے ہم کسی قبرستان میں بیٹھے ہیں۔"

"اوہ ہاں — واقعی — یہ کمرہ ایک قبرستان ہی تو ہے — یہاں انصاف دفن ہے۔"

"جی — کیا کہا — انصاف دفن ہے — گویا یہ کمرہ انصاف کا قبرستان ہے —"

"انصاف کا قبرستان — یہ تو — یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"جب اتنے بڑے لوگ نا انصافی کرنے لگیں تو ان کے گھر انصاف کے قبرستان ہی بن جاتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"میری سمجھ میں بات نہیں آئی — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں — بھلا میں وہ شخص کیوں ہونے لگا۔"

"آپ وہ شخص اس لیے ہیں کہ تھانے سے سوکھے خان نے آپ کو ہی فون کیا تھا — پھر جب سوکھے خان پر قتل کا مقدمہ بن گیا تو یہ آپ ہی تھے جنھوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو ہدایات دیں کہ سوکھے خان جیل میں نہیں رہے گا — چنانچہ اسے جیل سے نکال دیا گیا۔ بس سوکھے خان سے غلطی یہ ہوئی کہ ہوٹل میں کھانا کھانے چلا گیا — دوسری غلطی یہ ہوئی کہ وہ اپنی عادات پر قابو نہیں پا سکا — میک اپ میں اگر وہ چلا ہی گیا تھا، تو اپنی

عادات پر قابو رکھتا — لیکن ایسا بھلا کیوں ہوتا — جرم تو چھپ نہیں سکتا، ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے، چاہے کوئی لاکھ تدابیر کرلے — کتنی ہی احتیاط کرلے — اس سے غلطی ہر حال میں ہونی ہوتی ہے، اور رئیسانی صاحب — آپ سے بڑی بھیانک غلطی یہ ہوئی کہ انسپکٹر مہربان علی کو فوری طور پر شہر سے نکل جانے کی دھمکی دینے خود گئے اور پھر اس کے ڈرائنگ روم میں رکھی کی ٹوکری میں اپنا سگریٹ کا خالی پیکٹ ڈال آئے — اس پیکٹ پر انگلیوں کے نشانات موجود ہیں —"

"لیکن ابا جان — انسپکٹر مہربان علی کو شہر سے نکالنے کی کیا ضرورت تھی —"

"اس نے ایک بہت خوفناک بات معلوم کرلی تھی — رئیسانی صاحب کو ڈر تھا — کہیں وہ کسی سے اس بات کا ذکر نہ کردے، لہٰذا انھوں نے اس کے گھر جا کر اسے دھمکی دی کہ وہ ملازمت سے استعفیٰ دے کر شہر سے اس طرح چلا جائے کہ جس طرح گدھے کے سر سے سینگ اور کسی کو اپنا نیا پتا بتا کر نہ جائے — نہ وہاں سے کسی کو اس شہر میں خط لکھے — یا فون کرے — ورنہ اس کے سارے خاندان کو قتل کر دیا جائے گا — وہ شریف آدمی اس دھمکی سے ڈر گیا اور چلا گیا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"اور وہ خوفناک بات کیا ہے؟"

"یہ کہ۔ ریئسانی صاحب سوکھے خان کے بڑے بھائی ہیں۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلا اُٹھے۔

○

کمرے میں ایک بار پھر موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ وہ سب پھٹی پھٹی نظروں سے ریئسانی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاید انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ۔ یہ ہم نے کیا سنا ہے ابّا جان" محمود کانپ کر بولا۔

"میونسپل کارپوریشن کے ریکارڈ میں میں اس چیز کی تصدیق کرنے گیا تھا، کیونکہ اخبارات میں شائع ہونے والی سوکھے خان کی تصاویر کو میں نے بہت غور سے دیکھا تھا۔ اگر تم بھی غور سے دیکھ لیتے اور پھر ریئسانی صاحب کا چہرہ غور سے دیکھ لیتے تو فوراً حقیقت جان لیتے۔ ان کے چہروں میں کئی چیزیں بالکل ایک جیسی ہیں۔ سگریٹ کے پیکٹ پر ان کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں، لہٰذا یہ انکار نہیں کر سکتے۔ ثبوت ان کے خلاف اس حد تک مکمل ہے کہ کوئی عدالت جھٹلا نہیں سکتی۔"

"حیرت ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ بھی۔" اکرام کہتے کہتے رُک گیا۔

"آپ ہی کیا انکل۔ خود ہم بھی نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس بار ابّا جان دراصل ہم سب کو غچہ دے گئے۔"

"میں نہیں۔ تم خود اپنے آپ کو غچہ دے گئے۔ آخر تم نے سوکھے خان کی تصاویر کو بغور کیوں نہیں دیکھا۔ جب کہ میں نے اخبارات کا دوبارہ معائنہ کیا۔"

"جی بس کیا بتائیں۔ عقلوں پر پتھر پڑ گئے تھے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اور سوکھے خان۔ وہ تو رہ ہی گیا۔ آخر وہ کہاں ہے؟"

"وہ کہاں ہو سکتا ہے۔ یہیں موجود ہے۔"

"اوہ۔ آپ کا مطلب ہے۔ ریئسانی صاحب کا ملازم۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں! شکر ہے کہ تم اتنی بات تو سمجھ گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن۔ بہت دیر سے سمجھے۔" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

وہ چونک کر مڑے اور سکتے کے عالم میں رہ گئے۔ سوکھے خان دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سٹین گن تھی۔ نالی کا رُخ ان کی طرف تھا اور اس کے چہرے پر ایک طنز بھری مسکراہٹ تھی۔

"سوکھے خان۔ شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم بھول گئے ہو کہ باہر سادہ لباس والے موجود ہیں۔ اب تم دونوں کسی صورت بھی

نہیں بچ سکتے۔ لہذا اس سٹین گن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسے ہاتھ سے گرا دو۔ اور ہاتھ اُوپر اٹھا دو۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ میرا نہیں۔"

"کیا مطلب!"

"مطلب یہ کہ باہر کوئی سادہ لباس والا نہیں۔ تم لوگوں کے اندازے سُن کر میں نے ان سے جا کر کہہ دیا تھا کہ انسپکٹر صاحب نے کہا ہے کہ اب یہاں تم لوگوں کی ضرورت نہیں رہی۔ لہذا وُہ چلے گئے۔"

"اوہ!" ان کے مُنہ سے ایک ساتھ نکلا۔

گویا وُہ اب سوکھے خان کی زد میں تھے۔

اندھیر نگریاں

"دیکھا انور۔ میں نے تمھیں کتنا روکا، لیکن تم نے میری ایک نہ سُنی۔ کتنا سمجھایا کہ ہوٹلوں وغیرہ میں نہ جایا کرو، بس کار میں بیٹھ کر شہر کی سیر کر لیا کرو۔ یہ ساری مصیبت صرف اور صرف اس لیے نازل ہوئی کہ تم ہوٹل میں کھانا کھانے چلے گئے اور وہاں مقتول کے بھائی نے تمھیں دیکھ لیا، تمھارے لیے مجھے کتنے پاپڑ بیلنا پڑے۔ تمھیں جیل سے نکلوایا۔ میک اَپ کے ایک ماہر سے تمھارا حلیہ تبدیل کرایا۔ انسپکٹر مہربان علی جو یہ راز جان چکا تھا کہ میں تمھارا بڑا بھائی ہوں۔ اسے شہر سے نکل جانے کی دھمکی دی۔ اگر وُہ نہ جاتا تو اسے بھی ختم کرنا پڑتا۔ ان تمام احتیاطوں کے باوجود تم پہچان لیے گئے۔ اور اُس کم بخت کو تو دیکھو۔ سیدھا انسپکٹر جمشید کے پاس جا پہنچا۔ اور اس نے تمھاری فائل تھانے سے منگوا لی۔ انسپکٹر گوگل نے فوراً مجھے اطلاع دی۔ میں نے اخبار میں سپرنٹنڈنٹ جیل کی جھوٹی خبر شائع کرائی اور جھوٹے سپرنٹنڈنٹ سے انسپکٹر جمشید کو

فون کروایا، تاکہ یہ فائل الماری سے نکال کر میز پر رکھ لے، اس
وقت میرا ایک ماہر کارندہ بے ہوشی کی دوا گیس کی صورت میں لے
کر پہنچ گیا۔ اس گیس سے بچنے کا خود انتظام وہ پہلے ہی کر چکا
تھا؛ چنانچہ ان لوگوں کو بے ہوش کر کے فائل لے آیا۔ ایس پی جیل
کو فون کر کے میں نے وہاں سے بھی فائل نکلوا لی۔ اور تم تو جیل
میں تھے ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ تم دوبارہ جیل
نہ چلے جاؤ۔ اور اتنا سب کچھ کیوں ہوا۔ صرف اور صرف اس لیے
کہ تم بچپن میں ہی غلط صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگ گئے تھے۔ تم
آوارہ ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ گھر سے بھاگ گئے۔ واپس
آئے بھی تو والد صاحب کی وفات کے بعد۔ اور پکے جرائم پیشہ بن
کر۔ میں نے کتنا چاہا۔ تمہیں جرائم سے بچا لوں، لیکن جرائم تو
تمہاری گھٹی میں پڑ چکے تھے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ جوئے کی
لت لگ گئی تھی۔ جوا کھیلتے ہوئے بھی تو ایک بار گرفتار ہوئے
تھے۔ اس وقت بھی مجھے فون پر انسپکٹر گوگل کو حکم دینا پڑا کہ تمہیں
اور تمہارے ساتھیوں کو چھوڑ دے۔ یہ ہے تمہاری کہانی۔ اور
آج تم مجھے ایک ایسے مقام پر لے آئے ہو کہ خود میں جیل کا مزا چکھ
سکتا ہوں۔" اصغر ریئسانی کہتا چلا گیا۔

" ایسا نہیں ہو سکتا بھائی جان۔ کوٹھی کی نگرانی کرنے والے
سادہ لباس والوں کو میں پہلے ہی ہٹا چکا ہوں۔ اب صرف اتنا کرنا
ہے کہ ان لوگوں کو سٹین گن سے بھون ڈالیں اور باغ میں گڑھا کھود
کر دفن کر دیں۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو گی۔ اس وقت
کوٹھی میں میرے اور آپ کے علاوہ ہے ہی کون۔" سوکھے خان نے کہا۔

" تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ سادہ لباس والے ان لوگوں کو یہاں
آتے دیکھ چکے ہیں۔ اور جب یہ لوگ واپس نہیں پہنچیں گے تو ہم پر
ضرور شک کیا جائے گا۔"

" ہوں، لیکن نہیں۔ آپ پر کون شک کر سکتا ہے۔ آپ کا اتنا
ہی جواب کافی ہو گا کہ یہ لوگ آئے ضرور تھے، پھر چلے گئے اور
اب آپ کو کچھ معلوم نہیں کہ کہاں ہیں۔ پولیس ان لوگوں کو ڈھونڈ
ڈھونڈ کر تھک جائے گی، لیکن تلاش کر نہیں پائے گی۔ کیا خیال
ہے۔"

" اب تک تم مجھ سے بے شمار ناجائز کام کرا چکے ہو۔ اور میں
تمہاری محبت سے مجبور ہو کر کرتا چلا آیا ہوں، لیکن یہ سب کام
ایسے تھے کہ ان کی پاداش میں پھانسی کا تختہ نصیب ہونے کا
کوئی ڈر نہیں تھا، لیکن اب تم جس کام کے لیے کہہ رہے ہو، وہ
دنیا کا سب سے خوفناک جرم ہے اور میں یہ جرم نہیں کروں گا۔"
اصغر ریئسانی بولا۔

" اچھا تو پھر آپ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ اپنی موجود گ
کسی دوسری جگہ ثابت کر دیں، اس صورت میں آپ کو کون پو

ان سے میں خود نبٹ لوں گا۔"

"تمھیں یقین ہے کہ تم تنہا ان سے نبٹ لوگے۔" اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"یہ کون سا مشکل کام ہے۔ سٹین گن میرے ہاتھ میں ہے، ان کے نہیں۔ آپ جائیے، میں ایک گھنٹے تک ٹھہرا رہوں گا، تاکہ آپ اپنے چند دوستوں کے درمیان پہنچ جائیں، دوستوں کو یہ بھی احساس دلا دیں کہ وقت کیا ہوا ہے۔ تاکہ بعد میں وہ بیان دے سکیں کہ اس وقت تو آپ ان کے ساتھ تھے۔ اور ہاں۔ یہ تو بہت ہی اچھی ترکیب ہے۔ ہمیں ان لوگوں کو اپنے باغ میں دفن کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تو ہم ہر وقت خطرے کی زد میں رہیں گے، ٹھیک ہے۔ میں تو انھیں کسی دور دراز سڑک کے کنارے پھینک آؤں گا۔ اس طرح ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"لیکن تمھارا دماغ ضرور بیکا ہے۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جرم چھپ نہیں سکتا، مجرم سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوتی ہے۔ اس وقت بھی تو ایک خوفناک غلطی کر رہے ہو۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کون سی غلطی۔"

"سٹین گن کو تم نے بالکل غلط پکڑ رکھا ہے۔" جس کا مطلب سادہ ہے کہ تمھیں سٹین گن چلانے کا طریقہ آتا ہی نہیں۔ بس اناڑیوں

"انسپکٹر مہربان علی۔ نہ جانے وہ کون سے شہر میں جا بسا ہے۔ جاتے جاتے وقت کسی کو اپنا پتا بھی تو نہیں بتا کر گیا۔ خیر ہمارا کام اس کے بغیر بھی چل گیا۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید چونک کر بولے:

"یہ ضرور میرا اسسٹنٹ ہے، اپنے ملازم سے کہیے۔ اسے یہیں لے آئے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور گھنٹی بجائی۔

"راکی۔ انسپکٹر صاحب کے اسسٹنٹ کو یہیں لے آؤ۔"

"بہت بہتر جناب۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"مہربان علی اگر مل جاتا تو آپ اس کے ذریعے کیا مدد لیتے؟"

"بس۔ اس کا صرف بیان ہی کافی ہوتا۔ دراصل اس کے گھر کے ڈرائنگ روم میں ردی کی ٹوکری رکھی تھی۔ اور اس ٹوکری میں سگریٹ کے دو پیکٹ بھی موجود تھے۔ ہم اس سے صرف یہ معلوم کرتے کہ وہ کون سے سگریٹ پیتے ہیں اور وہ دوسرا پیکٹ کس نے ردی کی ٹوکری میں پھینکا ہے اور معاملہ حل ہو جاتا۔"

"اوہ واقعی۔" انھوں نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ اکرام ملازم کے ساتھ اندر داخل ہوا:

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام۔ آئیے اکرام۔"

فون کروایا، تاکہ یہ فائل الماری سے نکال کر میز پر رکھ لے۔ اس
وقت میرا ایک ماہر کارندہ بے ہوشی کی دوا گیس کی صورت میں لے
کر پہنچ گیا۔ اس گیس سے بچنے کا خود انتظام وہ پہلے ہی کر چکا
تھا؛ چنانچہ ان لوگوں کو بے ہوش کر کے فائل لے آیا۔ ایس پی جیل
کو فون کر کے میں نے وہاں سے بھی فائل نکلوا لی۔ اور تم تو جیل
میں تھے ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ تم دوبارہ جیل
نہ چلے جاؤ۔ اور اتنا سب کچھ کیوں ہوا۔ صرف اور صرف اس لیے
کہ تم بچپن میں ہی غلط صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگ گئے تھے۔ تم
آوارہ ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ گھر سے بھاگ گئے۔ واپس
آئے بھی تو والد صاحب کی وفات کے بعد۔ اور پکے جرائم پیشہ بن
کر۔ میں نے کتنا چاہا۔ تمھیں جرائم سے بچا لوں، لیکن جرائم تو
تمھاری گھٹی میں پڑ چکے تھے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ جوئے کی
لت لگ گئی تھی۔ جوا کھیلتے ہوئے بھی تو ایک بار گرفتار ہوئے
تھے۔ اس وقت بھی مجھے فون پر انسپکٹر گوگل کو حکم دینا پڑا کہ تمھیں
اور تمھارے ساتھیوں کو چھوڑ دے۔ یہ ہے تمھاری کہانی۔ اور
آج تم مجھے ایک ایسے مقام پر لے آئے ہو کہ خود میں جیل کا مزا چکھ
سکتا ہوں۔" اصغر ریئسانی کہتا چلا گیا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا بھائی جان۔ کوٹھی کی نگرانی کرنے والے
سادہ لباس والوں کو میں پہلے ہی ہٹا چکا ہوں۔ اب صرف اتنا کرنا

ہے کہ ان لوگوں کو سٹین گن سے بھون ڈالیں اور باغ میں گڑھا کھود
کر دفن کر دیں۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو گی۔ اس وقت
کوٹھی میں میرے اور آپ کے علاوہ ہے ہی کون۔" سوکھے خان نے کہا۔

"تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ سادہ لباس والے ان لوگوں کو یہاں
آتے دیکھ چکے ہیں۔ اور جب یہ لوگ واپس نہیں پہنچیں گے تو ہم پر
ضرور شک کیا جائے گا۔"

"ہوں، لیکن نہیں۔ آپ پر کون شک کر سکتا ہے۔ آپ کا اتنا
ہی جواب کافی ہو گا کہ یہ لوگ آئے ضرور تھے، پھر چلے گئے اور
اب آپ کو کچھ معلوم نہیں کہ کہاں ہیں۔ پولیس ان لوگوں کو ڈھونڈ
ڈھونڈ کر تھک جائے گی، لیکن تلاش کر نہیں پائے گی۔ کیا خیال
ہے۔"

"اب تک تم مجھ سے بے شمار ناجائز کام کرا چکے ہو۔ اور میں
تمھاری محبت سے مجبور ہو کر کرتا چلا آیا ہوں، لیکن یہ سب کام
ایسے تھے کہ ان کی پاداش میں پھانسی کا تختہ نصیب ہونے کا
کوئی ڈر نہیں تھا، لیکن اب تم جس کام کے لیے کہہ رہے ہو، وہ
دنیا کا سب سے خوفناک جرم ہے اور میں یہ جرم نہیں کروں گا۔"
اصغر ریئسانی بولا۔

"اچھا تو پھر آپ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ اپنی موجودگی
کسی دوسری جگہ ثابت کر دیں، اس صورت میں آپ کو کون پوچھے گا۔

ان سے میں خود نبٹ لوں گا۔"

"تمھیں یقین ہے کہ تم تنہا ان سے نبٹ لوگے۔" اس نے
بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"یہ کون سا مشکل کام ہے۔ سٹین گن میرے ہاتھ میں ہے،
ان کے نہیں۔ آپ جائیے، میں ایک گھنٹے تک ٹھہرا رہوں گا، تاکہ
آپ اپنے چند دوستوں کے درمیان پہنچ جائیں، دوستوں کو یہ بھی
احساس دلا دیں کہ وقت کیا ہوا ہے۔ تاکہ بعد میں وہ بیان دے
سکیں کہ اس وقت تو آپ ان کے ساتھ تھے۔ اور ہاں۔ یہ تو
بہت ہی اچھی ترکیب ہے۔ ہمیں ان لوگوں کو اپنے باغ میں
دفن کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تو ہم ہر وقت خطرے کی
زد میں رہیں گے، ٹھیک ہے۔ میں تو انھیں کسی دور دراز سڑک
کے کنارے پھینک آؤں گا۔ اس طرح ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"لیکن تمھارا دماغ ضرور بیکا ہے۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جرم
چھپ نہیں سکتا، مجرم سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوتی ہے۔
اس وقت بھی تو ایک خوفناک غلطی کر رہے ہو۔" محمود نے سنجیدہ
لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کون سی غلطی۔"

"سٹین گن کو تم نے بالکل غلط پکڑ رکھا ہے۔ جس کا مطلب
یہ ہے کہ تمھیں سٹین گن چلانے کا طریقہ آتا ہی نہیں۔ بس اناڑیوں

رح ٹریگر دباؤ گے، لیکن ہوگا کیا۔ یہ اپنے بھائی سے پوچھ لو۔"

"بھائی سے پوچھ لوں۔ کیا مطلب؟"

اصغر ریئسانی نے بھی چونک کر سٹین گن کی طرف دیکھا۔ یہی
ت سوکھے خان سے ہوئی۔ اور اسی لمحے کا انتظار تھا۔ ان
ں نے ایک ساتھ سوکھے خان پر چھلانگ لگائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ
رام سے گرا اور تینوں اس کے اوپر گرے۔ اور اس بے ڈھب
ز میں گرے کہ خود بھی زور شور سے آپس میں ٹکرا گئے:

"توبہ ہے۔ گرنے کا بھی سلیقہ نہیں آتا۔" فرزانہ بھنا اٹھی۔

"لیجیے۔ گرنے کا بھی سلیقہ آنا چاہیے۔" فاروق نے کندھے
جکائے۔

"حد ہو گئی۔ تم دونوں کو ایسے میں بھی آپس میں جھگڑنے کی
ڑی ہے۔" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"تو اور کیا کریں۔ کیا تم نے سنا نہیں، جھگڑنا صحت کے لیے بہت
فید ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"اوہو۔ ارے۔ اچھا۔ کمال ہے۔" فرزانہ نے گڑبڑائے ہوئے
لہجے میں کہا۔

ادھر انسپکٹر جمشید اصغر ریئسانی سے بھڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ
کر انھیں بے تحاشہ حیرت ہوئی کہ اصغر ریئسانی جان توڑ کر مقابلہ کر
رہا تھا اور کسی قیمت پر پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جبکہ

لڑائی شروع ہونے سے پہلے وہ خیال کر رہے تھے کہ یہ شخص تو بس
ایک ہاتھ کی مار ہے، لیکن وہ تو کسی گینڈے کی طرح طاقت ور تھا۔
اتفاق سے ایک مکا اس نے انسپکٹر جمشید کی ہنسلی کی ہڈی پر جو مارا تو
بچنے کی انتہائی کوشش کے باوجود وہ ان کے کندھے پر لگ ہی گیا۔
ان کا سارا جسم جھنجھنا اٹھا۔ ایک لمحے کے لیے انھیں یوں لگا جیسے کندھا
جسم سے الگ ہو گیا ہے۔ لیکن پھر انھوں نے خود کو ایک جھٹکا دیا
اور اس سے دور ہٹتے چلے گئے۔

”خیر تو ہے انسپکٹر، پیچھے ہٹ گئے۔ تم نے سوچا تھا۔ میں نازک
سا انسان ہوں۔ کیا لڑ سکوں گا۔“ اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا اور حملے کا پہلو سوچنے لگے۔ ایسے
میں اصغر ریشانی نے وحشیانہ انداز میں ان کی طرف چھلانگ لگائی۔ انھوں
نے فوری طور پر جھکائی دی اور مڑتے ہوئے بائیں ہاتھ کا کٹ مارا۔
یہ ہاتھ اس کی پسلیوں پر لگا۔ کسی بھینسے کی طرح ڈکرا کر وہ مڑا اور
دونوں ہاتھوں کے مکے ان کی ٹھوڑی کی طرف اچھال دیے۔ انسپکٹر جمشید
اگر یہ وار بچا نہ جاتے تو اس وقت فرش پر ڈھیر ہو چکے تھے۔ وار
خالی دیتے ہوئے انھوں نے سر کی ٹکر اس کے سینے پر رسید کر دی۔
وہ لڑکھڑایا اور پھر سنبھل نہ سکا۔ دھڑام سے گرا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی
وقت ضائع نہ کیا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔ ان کی دونوں ٹانگیں اس
کے سینے پر لگیں۔ وہ اس طرح بلبلا اٹھا جیسے کوئی اونٹ۔ انھوں

اس پر بس نہیں کی۔ دو مرتبہ اور زور سے اُچھلے۔ پھر نیچے اُتر کر
ان کی پسلیوں میں ایک زور دار ٹھوکر رسید کی۔
اب اس کے دم خم ختم ہوتے نظر آئے۔ جسم ساکت ہو گیا۔
انسپکٹر جمشید کئی سیکنڈ تک اس پر نظریں جمائے رہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا
کہ وہ مکر کر رہا ہو۔ لیکن پھر اس میں حرکت نہ ہوئی۔ اتنی دیر
میں تینوں سوکھے خان کو بے دم کر چکے تھے:

”لیکن ابا جان! اس شخص نے سوکھے خان کو انور کے نام سے
کیوں پکارا تھا؟“

”انور ماں باپ کا رکھا ہوا نام ہوگا۔ سوکھے خان اس کی مجرمانہ
زندگی کا نام ہے۔“

”گویا سیکرٹری صاحب اپنے عہدے سے کام لے کر یہ سارا چکر
چلاتے رہے۔ اس طرح تو اس کی عمر قید ختم ہو جاتی اور پھر وہ سب کے
سامنے جیل سے نکل آتا۔ اُف توبہ۔ کیسی کیسی غیر قانونی حرکات کی جاتی
ہیں ہمارے ملک میں بھی۔“ محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”وہ تو خدا بھلا کرے مقتول کے بھائی کا۔ جو ابا جان تک پہنچ
گیا، ورنہ ہمارے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی کہ ہمارے ملک کی
جیلوں میں کس کس قسم کی اندھیر نگریاں قائم ہیں۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”فکر نہ کرو۔ میں صدرِ مملکت کی توجہ اس طرف ضرور دلاؤں گا اور
کوئی ایسا طریقہ نکال لیا جائے گا جس میں سزا پانے والے آزاد فضا

میں نہ گھوم پھر سکیں ۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ جرم کیا ہے۔"

"لیکن اس سے پہلے تو ہمیں امی جان کی ناراضی دور کرنے کا طریقہ سوچنا ہو گا ۔ اور ہاں ۔ ہمیں تو ان کے لیے ہاٹ پاٹ بھی خریدنے ہیں، لیکن اس وقت تک تو دکانیں بند ہو چکی ہیں ۔ چلیے خیر ۔ کوئی بات نہیں ۔ یہ کام کل کریں گے ۔ آج ان کی جھنجلاہٹیں اور برداشت کریں گے۔" فاروق بولا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ ہاٹ پاٹ آنے پر ہم ان کی جھنجلاہٹوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں گے۔" محمود نے فاروق کو گھورا۔

"ہاں اور کیا ۔ وہ تو جب چاہیں، کسی بھی بات پر جھنجلا سکتی ہیں۔" فرزانہ نے محمود کا ساتھ دیا۔

"اور وہی کیا ۔ تم دونوں جھنجلانے میں کسی سے کم تو نہیں ہو ۔ اس وقت بھی عالمی ریکارڈ قائم کر رہے ہو۔" فاروق نے تنتنا کر کہا ۔ انسپکٹر جمشید، اکرام اور دوسرے مسکرانے لگے ۔

چائے کا کپ کا انعامی سوال

سوال : اخبارات میں دوبارا انہوں نے کیا خاص بات نوٹ کی ؟

○

۲۵۰ روپے کا نقد انعام موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کے ذریعے دیا جائے گا ۔

(ادارہ)